مسیحی دین کی اصولی باتیں

یہ کتاب پادری ایچ ۔سی ۔جی ۔مول صاحب

کی تصنیف سے ترجمہ کی گئی



۱۸۹۵ء

امرتسر مشن پریس میں مطبوع ہوئی

فہرست مضامین

کے ساتھ - مرضی پر کچھ جبر نہیں - اِس تعلیم کے اخلاقی مقاصد - اِس تعلیم
کے دوسرے پہلو بھی یکساں سچ اور ضروری ہیں - ایسی محبّت اور دعوت
کا اخلاص - اِن کی ظاہرا مخالفت - کالوِن کے پیرو اپنے گھٹنوں پر - آرمینیس
کے پیرو اپنے پاؤں پر - مقدسوں کا استقلال - فضل کا کھو جانا - خدا سے
برابر رفاقت کی ضرورت - سچائی کا مطالعہ کرنا اور اُسے عمل میں لانا - برگزیدگی
کے بارہ میں مختلف رائیں - قومی - کلیسیائی - مشروط - برگزیدگی در برگزیدگی
اِس تعلیم کا سُراغ - آگستین اور پی لی جی آس پانچویں سے سترھویں صدی تک
آزاد مرضی کے بارہ میں رائیں - فلسفہ - ٹرینٹ - جین سن - مصلح - کالوِن
- لوتھر - ملینکتون - ہوکر آرمی نی آس ڈارٹ کا مجمع - بیکسٹر - اٹھارھویں صدی
ویزلی اور اُسکے ہمعصر انگریز - ایڈورڈز

صفحہ ۳۵ سے ۴۲

چوتھا باب

بیٹے کے بارہ میں تعلیم

(۱) مسیح کی شخصیت مسئلہ دوم اُسکے الٰہی سرچشمہ کے بارہ میں
مقدس نوشتوں کی شہادت - اسکی ابنیت - ازلی پیدائش - کلمہ - ہم ذات
تجسم - ایک اقنوم - دو ذاتیں - کامل انسانیت - انسانیت الگ کبھی ایک
اقنوم نہ تھی - الٰہی انسان کی اقنومیت - مسیح کے انسانی تجربے فی الواقع
تھے - اُسکی بیگناہی - اُسکی الوہیت اور انسانیت ہمیشہ تجسم میں اکٹھی موجود
نہیں - اُس کے علم کی کمالیت - یہ لقب "خدا کا بیٹا" - "ابن آدم" - "آدم
ثانی" - مسیح کی شخصیت کے بارہ میں تعلیم کا سراغ - پہلی تین صدیاں

پانچواں باب

بیٹے کے بارہ میں تعلیم

چھٹا باب

صفحہ ۶۱ سے ۷۷

مسیح کا کام

جی اُٹھنا - صعود - باپ کے داہنے بیٹھنا - دوبارہ آنا - اُسکے جی اُٹھنے کے مقاصد - شرائط - آدم ثانی - صعود - ہمہ جا ہونا - کلیسیا کا سر - درمیانی - ضامن عہد - سفارش - سوار کاہن - تخت نشین کاہن - کیا آسمان میں کوئی بیج ہے؟ کیا حالت مذبوحی ابتک جاری ہے - مسیح بادشاہ ہے - کہاں تک سچ ہے کہ اُسکی بادشاہت موقوف ہوگی - خداوند کا واپس آنا - نوشتوں کی شہادت کس طرح سے - اسرائیل کی آئندہ حالت - دوبارہ آنے کے بارہ میں تعلیم کا سُراغ - نیا عہدنامہ - ریطین - آیرنیوس اوریگن وغیرہ - وسطی زمانے مابعد زمانے - مکاشفہ کے معنے - ہزار سال کی سلطنت - اُس سلطنت سے پہلے واپس آنا - دونوں پہلوؤں پر غور کرنا - عدالت بیٹے کے سپرد ہوئی - اُسکی شرائط کا بھید - کلیسیا کی عدالت - عدالت کرنا - عدالت ایک واقع ہے -

ساتواں باب

صفحہ ۷۷ سے ۱۰۰

روح القدس کے بارہ میں تعلیم

الٰہی روح - شخص - یوحنا ۱۴ سے ۱۶ تک اور نوشتوں کی دوسری شہادت نوشتوں کی وحدت - عہد عتیق کی شہادت - اِس لفظ "روح" کے معنی - دوسرے اقانیم میں رشتہ - اُسکی شخصیت کی تعلیم کی روحانی ضرورت - اُس کا نکلنا - دو میں سے نکلنا - اُسکی روحانی ضرورت - روح کا کام عالم میں - نوع انسان میں سب پر نازل ہونا - اسکے معنی - کیا وہ حالت حالیہ میں کام

کرتا ہے ۔کلیسیا میں اُسکا کام ۔کلیسیا کی صورتیں ۔ ہر فرد میں کام ۔اِس کی ترتیب ۔تیقن ۔ اسکی ضرورت ۔مسیح کے ساتھ اتفاق ۔ یہ کس طرح روح کے ذریعہ سے ہے ؟ ۔ روح کا کام مجسم خداوند میں ۔ اور ہم میں ۔ مسیح ہماری زندگی روح میں زندگی بخشنے والا ۔ روح کے ذریعہ نور ۔ اُسکی شہادت مسیح پر ۔ روح کا کام مختارانہ ہے ۔ روح نوشتوں کا حقیقی مصنف ہے ۔ قدیم بزرگوں نے اسے مانا : کلیمنس ۔یسطین وغیرہ ۔اِس تعلیم کے نتائج ۔حقیقی کلیسیا کی جماعت کے لئے روح کا کام اس لحاظ سے عضو اور بدن کا تعلق ۔ روحانی نعمتیں ۔ فضل ۔ عہد عتیق کے مقدسوں میں روح کا کام ۔ نئے عہد کے زمانہ کا فرق روح کے بارہ میں تعلیم کا سراغ ۔کلیمنس اگناطیوس ۔یسطین وغیرہ ۔ دونوں میں سے نکلنا ۔ آگسٹین ۔ شارلیمن ۔ اور بڑی پھوٹ ۔فلورنیس کا مجمع ۔ حال کی رائیں روح کے کام کا سُراغ ۔مونتانی تعلیم ۔آگستین برنارڈ وغیرہ ۔حال میں روح کے کام کی ضرورت کی پہچان زیادہ بڑھتی جاتی ہے ۔

آٹھواں باب

صفحہ ۱۰۱ سے ۱۳۸

آدمی کے بارہ میں تعلیم

نوشتوں میں آدمی کے بارہ میں کیا تعلیم ہے ۔ آدمی کی پیدائش ۔ کہانت پیدائش ۱ و ۲ کو لفظی طور سمجھیں ۔ فلسفہ ۔ انسان ایک نیا درجہ ہے ۔ طبعی مشاہدہ اور فلسفہ کی رائے ۔ انسان کی قدامت ۔ نوع اِنسان کا ایک ہونا خدا کی صورت ۔شخصیت ۔فرد ۔ بقا ۔ بدن ۔ اِسکا تعلق عدالت سے ۔ مجسم ہے ۔ جان اور روح ۔کیا آدمی تین حصوں پر یا دو حصوں پر منقسم ہے ؟

ایک ہی ہے - دل - اندرونی انسان - طبیعت یا عقل - نور قلب آزاد مرضی
اسکا تعلق خدا کی مرضی سے - روح ہر شخص کی پیدائش کے وقت پیدا ہوتی
ہے یا باپ سے ملتی ہے - نوشتوں کے مطابق آدمی کی اصلی حالت -
انسانی ذات کی عظمت - گناہ خلاف فطرت ہے - پہلا آدمی خدا کا بیٹا -
کس طرح سے - آدم نوع انسان کا سر - اسکا بھید - اُسکا گناہ کرنا - واقع بھی
اور بھید بھی - آزمایش اور اُسکا نتیجہ - نیکی و بدی کا علم - کیا یہ گرنا اوپر کیطرف
تھا؟ بدن کا آغاز منکشف نہیں ہوا - اِسکے ماننے کی روحانی ضرورت - اُس
گرنے میں انسان کی غلامی کی حقیقت - کمزوری - سرِنو پیدا ہونے کی شہادت
اسپر موروثی گناہ - مونٹے وغیرہ ہر شخص بالکل گرا ہوا ہے تو بھی ہر ایک
ضروری ہلاک نہ ہوگا - موروثی قصورواری اور خطا - مکاشفہ کا بھید اور رحم -
آدمی بحال ہوا - دو راہ اور دو انجام - کیا عالمگیر امید ممکن ہے ؟ - گناہ ایک
نامعلوم سبب - ازلی تجویز کے بیان کرنے کی کوشش آدمی کی بحالگی کے
لئے انجیل کی ضرورت بچے - سرِنو پیدایش اور تبدیلی - توبہ - مسیح کے ساتھ
اتفاق - راستباز ٹھہرنا - اسکا منکشف طریقہ - اعمال - ایمان - پہلی دفعہ اور
دوسری دفعہ راستباز ٹھہرنا - مرتے وقت ہونے کے الفاظ - ایمان کے ذریعہ راستباز
ٹھہرنے کی تعلیم کی اہم ضرورت - منسوب راستبازی - مسیح کے ساتھ اتفاق اور
اسکا تعلق راستباز ٹھہرنے سے - جو راستباز ٹھہرے ہیں وہ بھی زیرِ تربیت ہیں
تقدیس - اسکا تعلق راستباز ٹھہرنے سے - تقدیس میں ایمان کا کام - افسیون
۳ - ۱۴ سے ۱۹ - مسیح پاک زندگی کا چشمہ ہے - مرضی پھر بھی آزاد ہے - وعدے
احتیاط - گناہ کی قدرت اور حضوری - جسم - صلیب - روح کی بھرپوری
بحال شدہ آدمی کی حالت - موت میں - ابدیت میں -

نواں باب
صفحہ ۱۳۷ سے ۱۵۰

کلیسیا کی تعلیم

کلیسیا کی تشریح جو ہوکر صاحب نے کی ۔ لفظ کلیسیا ۔ اِس امتیاز کی ضرورت ۔ آگستین وغیرہ کی شہادت ۔ دیدہ کلیسیا کے مقدس دعاوی ۔ کونسی پھوٹ سخت ہے ۔ کلیسیا کی علامتیں ۔ مسئلہ ۱۹ کی قدیم تشریح ۔ کیا اسقوفیت ایک علامت ہے ۔ لفظ کیتھالک اگناطیوس ۔ انتھاناسیس رومی کلیسا کے دعاوی ۔ جدائی کا ایک سبب کلیسیا کا اختیار ۔ مجمع ۔ نماز کی کتاب کا دیباچہ ۔

دسواں باب
صفحہ ۱۵۰ سے ۱۶۰

خادمان دین کے عہدوں کے بارہ میں

مسئلہ ۲۳ ۔ نئے عہدنامہ کی شہادت ۔ رسول ۔ ڈیکن ۔ بزرگ ۔ اسقوف ۔ یعقوب تطاؤس طیطس ۔ کیا جماعت اپنے خادمان آپ ہی مقرر کرسکتی ہے ۔ بارہ رسولوں کی تعلیم ۔ کلیمنس ۔ اگناطیوس ۔ تواتر ۔ اِسکے فوائد ۔ گناہوں کا اقرار ۔ اور مغفرت کا کلمہ ۔ نئے عہدنامہ کی شہادت ۔ رومی طریقہ ۔ اسقوفیت ۔

گیارھواں باب
صفحہ ۱۶۰ سے ۱۶۶

ساکرمنٹوں کے بارہ میں تعلیم

مسئلہ پچیسواں ۔ لفظ ساکرمنٹ ۔ رومی کلیسیا کے سات ساکرمنٹ ۔ نئے عہدنامہ کی شہادت ۔ یوخرسٹ میں بدن اور لہو کے خاص معنی ۔ نئے عہدنامہ کی تعلیم ۔ عہدِ عتیق کے ساکرمنٹ ۔ ساکرمنٹ کا خیال بپتسمہ ۔ بپتسمہ میں موروثی گناہ کی معافی ۔ اشکالات ۔ بچوں کا بپتسمہ ۔ ختنہ ۔ پانی چھڑکنا یا غوطہ دینا ۔ مسیح کے بدن اور لہو کے

پہلا باب

(۱) طبعی اور منکشف دین

(۲) مُقدّس نوشتے

اِس کتاب کا مطلب یہ ہے کہ مسیحی دین کی عام تعلیم کا بیان کیا جائے یعنی ایسی تعلیم کا جو مقدّس نوشتوں میں خدا کی طرف سے منکشف ہوئی ہے۔ اور آدمی کی طبیعت و حاجات کے مطابق ہے۔ کاش کہ جو کچھ میں کہوں وہ اُس خدا کو منظور ہو جو حقیقی زندگی حق اور محبّت ہے۔

جو علاقہ طبعی اور منکشف دین میں ہے اُسکے اور مقدّس نوشتوں کے بارہ میں تمہید کے طور پر میں یہاں کچھ کہونگا۔

(اوّل) جو مسیحی تعلیم مکاشفہ سے معلوم ہوتی ہے۔ اُس میں اِنسان اور جہان اور خدا کی بابت بعض ایسی باتوں کا ذِکر ہے جو بطور اصول موضوعہ کے مانی جاتی ہیں مثلاً جو نتایج عقل عامہ سے ظاہر ہوتے ہیں شخصیت خود مختاری وغیرہ۔ مادی اور غیر مادی جہان۔ عِلّت معلُول کا سلسلہ یہ سب تسلیم کئے جاتے ہیں اور نیز نور قلب اور ذمہ واری جس سے خود بخود اِنسان اپنے تئیں ذمہ دار سمجھتا ہے۔

اِس دین میں ایک اعلیٰ خالق مانا جاتا ہے - جو مسبب الاسباب قادرِ مطلق اور حکیم مطلق ہے -

نیز یہ کہ خدا اور انسان میں ایک خاص تعلق ہے - لیکن انسان کی اخلاقی حالت بگڑ گئی ہے -

اِن اصولوں کے ماننے سے مکاشفہ کے لئے راہ طیّار ہوجاتی ہے - یہ خدا کی طرف سے ایک نیا اور فوق العادت پیغام ہے - یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ چونکہ خالق مُختارِ کُل ہے اِسلئے ایسا مکاشفہ ہوسکتا ہے - اگرچہ علم طبیعات بعض لوگوں کی رائے میں خدا کی ہستی کے خلاف ہے لیکن وہ بھی حقیقتاً عِلّتِ اولیٰ تک جو بموجب مکاشفہ کے خدا کہلاتا ہے پُہنچا دیتا ہے -

اگرچہ مکاشفہ سے یہ مُراد ہوسکتی ہے کہ آدمی خود خدا کے وجود کا مکاشفہ ہے تاہم عموماً اِس سے ایسا پیغام مُراد ہے جو فوق العادت طریقے سے اِنسان تک پُہنچتا ہے - مسیحی دین کا یہ دعویٰ ہے کہ شروع ہی سے ایسے پیغام خدا کیطرف سے آتے رہے اور سب سے بڑھکر مسیح مجسم کے ذریعہ سے ملے - اور نیز یہ کہ اِن پیغاموں کا ذِکر مقدّس نوشتوں میں ہے -

(دوم) سچ مُچ یہ مُقدّس نوشتے عجیب منظر ہیں - ایک طرح سے وہ ایک چھوٹی سی قوم کی تواریخ ہیں - اور دوسری طرح سے سب سے شایستہ اور زور آور قوموں کی روحانی ترقی کا باعث ہوئے ہیں - اُنکا دعویٰ ہے کہ ہم فوق العادت پیغام ہیں - ہرچند ہزارہا دشمنوں نے اُنکے تلف کرنے کی کوشش کی تو بھی ہمیشہ غالب رہے ہیں - جو شہادت مسیح نے عہدِ عتیق کے بارہ میں دی وہ مسیحیوں کے لئے سب سے پُرزور ہے - اُسیطرح سے عہدِ جدید کے

کیا تھا۔

پس جو مسیح کو مانتا ہے اُسکے لئے مُقدس نوشتے مکاشفہ کا خزانہ ہیں۔

دوسرا باب

مسئلہ دربارۂ خدا

(۱) توحید

(۲) مقدّس ثالوث

(۱) توحید

اِن ورقوں میں اِس بات کی کوشش نہیں کی گئی کہ اِنسان اور خلقت سے جو دلیل خدا کے بارہ میں متعلق ہے اُسکی **تفصیل** کیجائے۔ مسیحی دین کے مسائل جنکا یہاں بیان کرنا ہمیں مطلوب ہے اِس بنیاد پر ہیں کہ کسی نہ کسی طرح سے یہ دلیل (یعنی خدا کی ہستی کی) مانی گئی ہے بلا واسطہ اور اعجازی سلسلوں کے بغیر شہادت کے اور کونسے سلسلے اُس کی ہستی و جلال کے لئے ہیں جو "ایک ہی زندہ و برحق خدا ہے۔ وہ ازلی ہے اور اُسکو جسم و جزو اور جوش نہیں۔ اُسکی قدرت، حکمت و خوبی بیحد ہے۔ وہ سب چیزوں کا جو دیکھنے میں آتیں اور دیکھنے میں نہیں آتیں خالق اور حافظ ہے" (مسئلہ اوّل)

بھلا یہ وہ شہادتیں ہیں جو آدمی جہان کا مشاہدہ کرنے سے اور اپنے تجربہ

کا مشاہدہ کرنے سے حاصل کرتا ہے۔ اور خاصکر اس دوسری بات کے
مشاہدہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کی ذات میں چند میلان یا قانون جو
سارے مشاہدہ اور عقلی قوائے کی بنیاد ہیں، ایسے ہیں جو آدمی کو عجیب طور
سے نئے نتائج تک پہنچاتے ہیں۔ یعنی علوم لدنی یا وہ طبعی پہچان جس
سے آدمی چند اصلی باتوں کو مانتا ہے جنہیں نہ تو حسب القاعدہ ثابت کرسکتے
ہیں اور نہ اُن کی صداقت پر شک کرسکتے ہیں۔

وہ اصلی باتیں یہ ہیں۔ ہماری اپنی شخصیت کی حقیقت۔ ہماری ہستی
کے علاوہ بیرونی ہستی کی حقیقت۔ علم اقلیدس کے پہلے اصولوں کا ہمیشہ
سچ ہونا مثلاً یہ کہ دو خطوط مستقیم سطح کو نہیں گھیر سکتے۔ اور حق و ناحق کے
درمیان کُلی تفاوت۔ کوئی منطقی عمل (عام معنوں میں) اِن باتوں کو ثابت نہیں
کرسکتا۔ لیکن جب ایک دفعہ اُن کا خیال آدمی پر بذریعہ مشاہدہ ظاہر ہوگیا تو آدمی
(بشرطیکہ اُسکے حواس ظاہری و باطنی صحیح سالم ہوں) بالطبع اُنپر شک نہیں کرسکتا

خدا کے بارہ میں شہادت کے اسباب جو مکاشفہ کے بغیر اسطرح سے آدمی
پر ظاہر ہوتے ہیں وہ بطریق ذیل کام کرتے ہیں۔ آدمی اپنے آپ کو ایک
جہان اور عالم کے درمیان پاتا ہے جس میں بیشمار اور روز افزوں مثالیں
ترتیب کی ظاہر ہوتی ہیں۔ ہم اِسے تجویز تو نہیں کہتے کیونکہ لفظ تجویز یہ
ظاہر کرتا ہے کہ ترتیب کے پیچھے شخصی مرضی بھی ہے۔ آدمی جتنا زیادہ غور
سے مشاہدہ کرے اُتنا زیادہ وہ ترتیب کو دیکھیگا۔ نیچے خاک سے لیکر اوپر
ستاروں بھرے آسمانوں تک۔ آدمی کی عقل ذاتی اِس بات پر دلالت کرتی
ہے کہ اِس ترتیب کے پیچھے شخصی مقصد و کام ہے۔ ایسا کیوں؟ اِس لئے

شخصی وقوف آدمی جانتا ہے کہ ترتیب کے ہونے میں یہ ہے کہ پیدا...
کتنی ہی دور کیوں نہ ہو کسی نہ کسی جگہ ارادہ ضرور ہوگا اور آدمی کو یہ بھی یقین
ہے کہ میں آپ ہی اپنا سبب اور بنانیوالا نہیں ہوں اور یہ کہ میں خود اپنی
ہستی کی ساری ترتیب میں ایک واقعہ - ایک پیدائش ہوں جسکے لئے کافی
سبب درکار ہے (کیونکہ یہ دل کا علم لدنّی ہے) اور وہ اپنے تئیں چاروں طرف
کی اشیاء سے ایسا متعلق اور بیرونی جہان سے ایسا پیوند و آمیختہ پاتا ہے
کہ وہ خواہ مخواہ اپنے تئیں کسی طرح سے اسکا جزو سمجھتا ہے اور جانتا ہے کہ
جو اسکا شخصی سبب ہے وہی میرا سبب ہوگا اور وہ اپنے آپ میں بلا وساطت
ہمیشہ یہ باتیں پاتا ہے مشخّص فہم مرضی و محبت اور نیز اس بات کا یقین
کہ کاموں میں حق اور ناحق مطلقاً متفرق ہیں اور یہ اسکا علم لدنّی ہے جس
سے بالطبع اسکو یقین ہوجاتا ہے کہ ایسا وقوف (ٹھیک معنی میں) فوق العادت
ہے - اور یہ کہ وہ اشیاء دیدنی کی نسبت اعلیٰ ترتیب سے متعلق ہے - پس
جو چیز کہ علم و مرضی اور محبت اور اخلاقی سچائی کی پہچان سے بے بہرہ ہے وہ
اس چیز سے جو ان خوبیوں سے بہرہ ور ہو از حد ادنیٰ ہے - ظاہری و باطنی
جہانوں کے جن مجتمع امور واقعی کا ایک مشاہدہ کرنے والے یعنی آدمی نے
بغور مشاہدہ کیا ہے وہ خواہ مخواہ آدمی پر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اسباب موجودات
کے پیچھے اور اوپر ایک شخص ہے جو فہم و مرضی سے کام لیتا ہے اور نیک و
بد کو جانتا ہے - یہ بھی یاد رہے کہ بیرونی اشیاء جو ٹھیک طور سے مشاہدہ میں
آتی ہیں ہمیشہ محدود ہیں اور اسلئے وہ اپنے آپ ہی غیر محدود اشیاء کے
لئے ثبوت نہیں دسکتیں - لیکن اس گڑھے پر جائز طور سے اُن علوم لدنّی
کے ذریعہ سے پل پڑسکتا ہے جو بمقتضائے ساخت دل اس بات کا تقاضا

کرتی ہیں کہ ایک، آخری اور غیر معلول وجود سب موجودات کے پیچھے ہے
اور ایک ایسی قوت جس سے بڑھکر کوئی قوی نہیں۔ ایسی راستی جس سے
بڑھکر کوئی راست نہیں۔ ایسی نیکی جس سے بڑھکر کوئی نیک نہیں۔
جس ترتیب کو شخصی وجود یعنی آدمی جو خودبیت کچھ اس ترتیب سے متعلق ہے
دیکھتا ہے۔ اس سے صاف گواہی ملتی ہے کہ ترتیب کے پیچھے کوئی مشخص
وجود ہے جو آدمی کے وجود کے برابر ہو کیونکہ وہ آدمی کا سبب یا علّت
ہے۔

کانشنس یا نورِ قلب جو خود آدمی میں پایا جاتا ہے اُس مشخص علت
پر شاہد ہے جو نہ صرف نیکی و بدی کا علم رکھتا ہے بلکہ نیکی کی طرف ہے۔
غیر محدود کے (مثلاً مکان زمان کے لحاظ سے) علوم لدنّی اُسی مشخص علت
پر شاہد ہیں جو نہ صرف ایک بڑے درجہ کا علم مرضی و نیکی کا رکھنے والا
ہے بلکہ یہ کہ وہ عالم کُل۔ قادرِ کُل۔ نیک کُل ہے۔ وہ خدا جس کی
صفات غیر محدود ہیں یعنی یہ کہ وہ ہمیشہ ہر بات میں جو اس سے منسوب
کیجاسکتی ہے کامل ہے۔ یہ نہیں کہ وہ ایک موہوم شئے ہے جو سب موجودات
کو محیط ہو بلکہ وہ ازلی ابدی واحد ہے وہ ایسا نیک ہے کہ اُس سے زیادہ
نیک نہیں ہوسکتا۔ وہ ایسا دانا ہے کہ اُس سے زیادہ دانا نہیں ہوسکتا۔
ایسا قوی ہے کہ اُس سے زیادہ قوی نہیں ہوسکتا۔ وہ اپنے آپ اور ہمارے
سامنے ہمیشہ کامل اور ہم محدودالعقلوں کے لئے ہمیشہ غیر محدود ہے۔

ہاں یہ کہنا غلط ہے کہ خدا کی نسبت یہ خیال انسان کے دل میں
ایسا بیٹھا ہوا ہے کہ اس کو ظاہر کرنے کے لئے کچھ درکار نہیں۔ اسمیں

ہے کہ یہ اپنی اعلیٰ سے اعلیٰ صورت میں بھی جہان اور انسان سے متواتر اور
واقعی سے ایک اعلیٰ وراست نتیجہ ہے کہ دین کے ادنیٰ سے ادنیٰ ظہوروں
میں ہاں وحشیوں کے درمیان بھی اِسکے بُنیادی نشان یا بقیہ نمودار ہیں
چونکہ اِسکی قابلیت اور اسکی طرف میلان آدمی میں ہے اسلئے وہ مکاشفہ
کے ذوالجلال پیغام کو قبول کرسکتا ہے۔ یہ پیغام ایسا ہے کہ جبتک آدمی
جہان کا اور اپنا مطالعہ کرتا رہیگا۔ وہ اپنے آپ تکمیل کے درجہ تک نہیں
پہنچ سکیگا۔ اور اُسکی حقیقت جیسے کہ مسیحی معقول دلائل سے مانتے ہیں
فوق العادت طریقے سے آدم پر پہلی حالت میں منکشف کی گئی تھی۔
توحید کی شہادت کے اِس مختصر خاکے کے متعلق مختلف رائوں کا
بھی سرسری ذِکر کیا جاتا ہے۔

کثرت الاالٰہ یعنی اِس بات کا ایمان رکھنا کہ کئی ایک نادیدہ فاعل
ہیں جو کم وبیش اِس منظر میں یا اِسکے پیچھے ہم رتبہ ہیں۔ کئی قوموں
کا یہ ایمان ہے۔ اُن میں سے اکثروں میں "اگرچہ عملاً سب میں نہیں"
کثرت الاالٰہ کے پیچھے توحید پائی جاتی ہے اور جتنا زیادہ اُن لوگوں
کے خیال کا مشاہدہ کیا جاتا اور وہ سمجھا جاتا ہے اُتنا زیادہ وہ ظاہر ہوتی ہے
باقیوں میں اِس بات کا اشارہ ہے کہ کثرت الاالٰہ توحید کی بُنیاد نہیں بلکہ
اُسکا بگاڑ ہے۔ اِس بات کے بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ کثرت
الاالٰہ بحیثیت ایمان کے روز بروز گھٹتا جاتا ہے۔ مشاہدہ جو اب تکمیل کے
بڑے درجہ تک پہنچ گیا ہے اور پہنچتا جاتا ہے۔ اسبابِ موجودات میں
وحدت کو ثابت کرتا معلوم ہوتا ہے جس سے کثرت الاالٰہ کا ایمان کمزور ہوتا
جاتا ہے۔ تاہم مکاشفہ ایک حقیقت کو ظاہر کرتا ہے جو اِس میں پوشیدہ

ہے - یعنی یہ کہ انسانی اور شخصی وجودوں کے سوا اور بیشمار وجود ہیں اور اسلئے حقیقی اسباب ہیں لیکن یہ سب بالرضا یا بے رضا خداتعالے کے ماتحت ہیں -

ہمہ اوست اسباب موجودات کی نسبت وہ رائے ہے جسکی بابت ہم سرسری طور سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسکے مطابق خدا اور عالم (معہ انسان کے) ایک ہی شئے ہے - زیادہ ٹھیک طور سے وہ رائے یہ ہے کہ عالم معہ انسانی ادراک کے **وجودِ مُطلق** کا گویا ظہور ہے جو خود بغیر متشخص و لا ادراک ہے - خدا سمندر ہے - عالم لہر یا لہریں ہیں - سمندر اور لہریں دونوں پانی ہیں لیکن لہریں سمندر نہیں ہیں بلکہ اسکی سطح کی خاص حالت ہیں اس رائے کے مطابق خدا اور جہان میں کچھ تفاوت نہیں - سب مظہرات نیک و بد اسی سے متعلق ہیں - ہمہ اوست کی بڑی موجودہ مثال ہندوستان کا برہمنی دھرم ہے - برہمن کے نزدیک سب موجودات مادی اور شخصی اس بیچون وچرا برہم کے عارضی ظہور ہیں جو خود غیر متشخص ہے جس میں سے عالم و اشخاص بلا اسکے ارادے اختیار یا امتیاز کے ہمیشہ نکلتے رہتے اور انہی میں مجذوب ہوجاتے ہیں - مگر یہ قابل غور بات ہے کہ انسانی عقل حیوانی ایسی کامیاب ہوئی ہے کہ اس نے ہندوستان کو کثرت الالٰہ ایمان کا مضبوط قلعہ بنا دیا ہے اور یہ ایمان کم سے کم اس ملک میں اندرونی ہمہ اوست کا عزیز رشتہ دار ہے -

مکاشفہ ہمہ اوست کی رائے کو بالکل رد کرتا ہے خاصکر اس امر پر شہادت دینے سے کہ حق اور ناحق میں دائمی فرق ہے اور نیز خالق کو ہمیشہ ایسا ظاہر کرنے کہ وہ [illegible] ہستی کا [illegible] متشخص [illegible]

مختارِ کل ہے۔ کلام جو حقیقت الامر ہمہ اوست [illegible] ہے [illegible] میں
ظاہر کرتا ہے کہ حقیقی خدا نہ صرف اپنی خلقت سے ممیز اور اسکا مختار کل
ہے بلکہ وہ موجود اور ہر جگہ حاضر اور اس میں کام کرتا ہے۔ نہ اسطرح سے
کہ عالم پر خیال کرتا اور جانتا ہے بلکہ اسطرح سے کہ اسکی ہستی مرضی اور مقدس
مقصد کی ہر لحظہ سب چیزوں کے سنبھالنے والی ہے جو حقیقتاً موجود ہیں وہ
اپنی جگہ اور ترتیب کے موافق کام کرتی ہیں

دہریت اگرچہ لاکھوں مشرقی بودھ لوگوں کا کیا سا عقیدہ ہے لیکن اب
سوائے صاف اسکا اقرار نہیں کرتے۔ علاوہ اس میں یہ رائے داخل ہے
کہ یہ دور جہان ازلی تشریح آپ کرتا ہے لیکن مشاہدہ زیادہ زیادہ صاف
طور سے یہ ظاہر کرتا جاتا ہے کہ یہ عالم جہانتک اسکے مادی وسایل و
قوانین کا پتہ لگتا ہے سکوت و موت کی طرف مایل ہے۔ اسلئے اسکا آغاز
و شروع ضرور کسی خارجی شے سے ہوا ہے یعنی ایسے سبب یا اسباب سے
جو مادی نہ ہوں۔ بعض لوگ اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ایک غیر
شخص ازلی قوت اسکا سبب ہے۔ ایسا سبب جو نہ صرف بہترین ہے بلکہ
ناقابل معلوم ہے۔ صرف آدمی ہی یہ بات معلوم کرسکتا ہے کہ میری اپنی
شخصیت کا وہ اصلی نمونہ نہیں ہے۔ اس رائے کا پختہ جواب یہ ہے کہ
ہمیں بلا وساطت غیری اپنی شخصیت و خود آگاہی مرضی اور نور قلب کا
تجربہ ہے اور اس بات کا بھی کہ میں مقابلتاً دوسرے قسم کے موجودات
سے بڑا ہوں۔ آدمی اپنی شخصیت کے باعث جانتا ہے کہ میں اپنی چاروں
طرف کی اشیاء سے اعلیٰ ہوں اسلئے کہ وہ بے تمیز اور بے مرضی ہیں
اور اسے یقین ہو جاتا ہے کہ جو چیز حقیقی سبب ہے وہ شخصیت سے خالی

نہیں - انسان کے علوم لدنّی ایک ازلی شخص پر تکیہ کرسکتے ہیں کہ یہ اصلی حقیقت ہے حالانکہ غیر مشخص ہستی پر گو وہ دائمی ہوں تکیہ نہیں کرسکتے ہیں جس دہریہ پن کی رائے کا ابھی ذکر ہوا (مع کچھ تبدیلات کے) وہ اگنوستنی سیزم کے نام سے مشہور ہے - بعض باتوں میں اسکا تعلق ہمہ اوست کی رائے سے ہے اگرچہ اَور باتوں میں بہت اختلاف ہے - اُسکی مانند اس میں جہان کی حکومت - گناہ - ذمہ واری اور جزا و سزا کی گنجائش نہیں - توبھی اس میں سچائی کے بیج ہیں جنکو مکاشفہ تسلیم کرتا ہے - مقدس نوشتوں کے مطابق خدا "نامعلوم" ہے یعنی وہ کامل طور سے کبھی دریافت نہیں کیا جاسکتا اور یہ کہ صرف وہی اپنے آپ کو جیسا وہ ہے پورے طور سے جانتا ہے وہ ہمیشہ ہمارے خیال کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے لیکن ہمیشہ ہمارے خیال سے اعلیٰ ہے - صرف اس بات کا ہمیں یقین ہے کہ جو کچھ اُس میں نامعلوم یا ناقابل معلوم ہے وہ اُسکے برخلاف نہیں جو اُسنے اپنی نسبت منکشف کیا ہے -

ڈیی ازم یا نیچری پن یہ رائے ہے کہ ایک قادرِ مطلق یا قادر مجوز و صانع عالم کا ہے - لیکن وہ عملاً اِس پر حاکم نہیں اور نہ اِس میں بستا ہے - اِس رائے کے لوگ یہ نہیں مانتے کہ مکاشفہ (خواہ امکان ہو یا نہ ہو) ہوا - خدا اور جہان کی نسبت اِس قسم کی رائے کی تردید نہ بسرف مقدس نوشتوں میں ہے بلکہ آزادانہ مشاہدہ و تجربہ سے بھی ہوتی ہے -

جو گواہیاں انسان کی طینت اور اسباب موجودات سے پیش کی گئی ہیں اُن کے ساتھ ہم مسیحی دین یا خود یسوع مسیح کو بھی خدا کی شہادت میں پیش کر [illegible]

گیا ہے؛ البتہ اُس گواہی میں بہت سعیفی یا ظاہری ... ہے
لیکن یہ امر واقعی ہے کہ نہ صرف اُسکے شاگرد ساتھ پنڈتوں سے اُسکی تنظیم
کرتے رہے ہیں بلکہ وہ لوگ بھی جو اُسکے دعاوی کو تسلیم نہیں کرتے یہاں
تک اُسکی تعظیم کرتے ہیں کہ اور کوئی مثال اُسکے مقابلہ میں نہیں ہے۔
اعلیٰ قوموں کی زبانوں میں لفظ "مسیحی" عملاً راستبازی اور نیک کا مترادف
ہے۔ اور انسانی نورِ قلب کا یہ موضوع نہ صرف خدا کا اقرار کرتا ہے بلکہ
یہ دعویٰ کرتا ہے کہ خدا سے کامل تعلق رکھتا ہوں اور اُسی کی طرف سے
بھیجا گیا ہوں۔

اور یہ نہیں کہ یسوع مسیح انسانی نورِ قلب ہی کا ایک **تصور** ہے۔ وہ
تواریخی شخص ہے۔ اُسکی شخصیت۔ سیرت۔ کلام اور کام بذاتہ عقلی ہوں
یا اخلاقی اٹھارہ سو برس پہلے کے جلیلی دہقانوں یا سرگرم فریسی یا اُس
زمانے کی ساخت نہیں۔ وہ ہمارے سامنے گذشتہ زمانہ کا واقعہ معلوم ہوتا
ہے جسکی نسبت یا تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ خود فریبی کی اعلیٰ مثال ہے
یا **افضل حق** کی اعلیٰ مثال ہے۔ انسانی نور قلب کا بالطبع فیصلہ پہلی
رائے کی تائید نہیں کرتا۔ اس کتاب کا خاص مقصد یہ نہیں کہ مسیحی دین
کے ثبوت پیش کرے۔ ہم صرف ایک صاف امر کی طرف اشارہ کرسکتے
ہیں کہ مسیحی دین کی شہادتیں سب بیشک توحید کی شہادتیں ہیں اور جبھی
توحید سے جو سوال پیدا ہوتے ہیں اُنکے اعلیٰ درجہ کے جوابوں کی طرف
ہدایت کرتی ہیں۔ مخفی نہ رہے کہ اسباب موجودات کے ساتھ خود انسان
کی ذات کا بھی لحاظ کیا جائے۔

اس فصل کے اخیر پر چند جُدا جُدا باتوں کا ذکر کیا جاتا ہے

(۱) خدا کی ہستی کے بارہ میں طبعی شہادت اُسی قسم کی ہے جو انسان کی ہستی کے بارہ میں ہے۔ اِس بات کا مشاہدہ کرنے سے کہ جو مادہ ہمارے چاروں طرف ہے اُسپر ایسے طریقے سے عمل ہورہا ہے جو ہم اپنے آپ میں جانتے ہیں شخصیت پر دلالت کرتا ہے۔ ہم خواہ مخواہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ہمارے چاروں طرف شخص انسان ہیں۔ اِس طرح سے ہم اگرچہ صاف صاف یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ایک اعلیٰ شخصیت ہے کیونکہ مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ باہر اور اندر ہر جگہ ترتیب پائی جاتی ہے اور ہم اپنے اپنے تجربہ سے جانتے ہیں کہ ترتیب ارادہ پر دلالت کرتی ہے۔ اور ارادہ شخصیت پر۔

(۲) یہ خیال کہ **خالق** نہ صرف اپنی مخلوقات پر حکومت کرتا ہے بلکہ اُس میں کام بھی کرتا ہے اس بات کے دریافت کرنے کے لئے آمادہ کرتا ہے کہ اُسکے کام کرنے کے آثار بہت باتوں میں ہمارے کام کرنے سے متفرق ہیں۔ "اُسکے تراشنے سے برادہ نہیں گرتا ہے" جن ہاتھوں اور اوزاروں سے وہ کام کرتا ہے وہ اُسکی مرضی ہے جسکے باعث مادہ کی ہستی ہے اور جو اپنے آپ سے مادہ کو تکمیل کی قدرت اور قانون عنایت کرتی ہے۔

(۳) خلقت کا مطلق اور دائمی انحصار **خالق** پر (مکاشفہ ۴ - ۱۱) ہے بہت کم لوگ سمجھتے ہیں کہ منکشف دین ہی نے یہ ظاہر کیا ہے کہ بائبل سے الگ دیگر مذاہب اور فلسفہ کا میلان یا تو اِسطرف ہے کہ جب سے خدا ہے تب ہی سے جہان ہے۔ خدا اُسکی صورت کو بدلتا ہے لیکن حاکمانہ طور سے اُسے پیدا نہیں کرتا اور نہ اُسپر حکم کرتا ہے۔ یا اِسطرف [illegible]

حِکمت کا مسئلہ جو مقدس نوشتوں کے شروع میں ہے اور ان میں ہر جگہ
اہم مسئلہ ہے وہ پروردگاری کے مسئلہ کے لئے کُلی ضروری ہے وہ
ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ ہم کُل واقعات کو اُسکی شاہانہ مرضی سے ایسا متعلق
سمجھیں کہ اگرچہ ماتحت دیگر سبب آزاد ہیں لیکن کُل انجام یہ ہے کہ
اُسی نے اور اُسی کے سبب اور اُسی کے لئے ساری چیزیں ہیں"

(رومیوں ۱۱ - ۳۶)

مقدس نوشتوں میں خدائے واحد حقیقتاً اور مطلقاً کُل مادی اور روحانی
ہستی کا آزاد شخص سبب یعنی خَالِق ہے۔ وہ اِسکا حقیقی باعث ہے
نہ صرف اسکی ہستی کا آغاز اُس سے ہے بلکہ قیام بھی اُسی سے ہے۔
وہ اسکا اعلیٰ اور کامل راست خداوند۔ شرع دینے والا اور منصف
ہے۔ وہ اِسکی حقیقی عِلّت غائی ہے کیونکہ اُسنے اِسے اپنے لئے
بنایا ہے۔

وہ صرف وجودوں میں سے اعلیٰ اور بہتوں میں اوّل ہی نہیں بلکہ وہ وجودوں
کا وجود ہے اسطرح سے کہ کوئی شئے جو اِسکی ذات سے نہیں پل
بھر بھی اسکے بغیر یا اس سے بےتعلق نہیں رہ سکتی۔ چونکہ اُسکا وجود بذاتِ
خود قایم ہے وہ پورے طور سے ازلی ہے۔ اُسکی ہستی کا طریقہ آغاز یا
انتہا سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔ مقدس نوشتوں کی یہ تعلیم ہے کہ مادہ یا
روح کی اصل خواہ کچھ ہی ہو لیکن مادی اور روحانی جہان خدا کی ہستی اور
ازلی خودمختاری کے شرایط نہیں بلکہ اسکے نتیجے ہیں اسلئے نہ تو یہ کہیں کہ
خدا اور جہان ایک ہی ہیں اور نہ اُنکو اُس سے جو اُنکا اصلی اور دایمی
سبب ہے جُدا کریں۔

(۲) مقدس ثالوث

"اسکی خدائی کی وحدانیت میں تین اقانیم ایک ہی ماہیت قدرت و ازلیت کے ہیں یعنی باپ بیٹا اور روح القدس" (مسئلہ اوّل)

اس اعلیٰ تعلیم کا ثبوت مقدس نوشتوں سے ملتا ہے۔ بعض اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ اگر ہم محض اسباب موجودات۔ قوانین منطق اور خیال پر غور کریں تو مقدس ثالوث کے مسئلہ کی بنیاد ملیگی اور بعضوں کے خیال میں ایسی بنیاد مل بھی گئی ہے۔ لیکن جو لوگ مقدس نوشتوں کو مانتے ہیں انکے لئے یہ مفید ہے کہ مقدس نوشتوں ہی پر اس تعلیم کی بنیاد قایم کریں۔ اعلیٰ مطلق سبب اور خداوند کی ہستی کا ثبوت تو جائز طور پر اسباب موجودات پر غور کرنے سے مل سکتا ہے لیکن اسکی ہستی کے طریقے کا کوئی یقینی ثبوت اس طرح سے نہیں مل سکتا۔ ضرور ہے کہ خود وہی اسکو ظاہر کرے۔ اسباب موجودات اور انسانی ہستی تک اس طریقے کو کسی طرح سے موزون تو کرسکتے اور خیال تو باندھ سکتے ہیں لیکن پورے طور سے منکشف نہیں کرسکتے۔ اسلئے مجملاً مقدس نوشتوں سے شہادت پیش کیجاتی ہے۔

(ا) مسئلہ ثالوث کی بنیاد توحید ہے یعنی یہ کہ خدا ایک ہے الٰہی ذات انسانی ذات کی طرح افراد میں منقسم نہیں نہ افراد میں اسکی حقیقت نظر آتی ہے۔ یہ واحد وجود کی ذات ہے جو فرد بھی ہے اور نوع بھی ہے۔ وہ الٰہی ہستی کے کُل میں ایسے معنوں

طور سے خدا کہلاتے یا مجازی طور سے مثلاً قاضی وغیرہ [illegible] —
ہیں (زبور ۸۲-۱ و ۶)

مقدس نوشتوں سے مسئلہ توحید کی چند مثالیں دیجاتی ہیں۔ استثنا ۴
۳۵+۶-۴+۳۲-۳۹ ۲ سموئیل ۲۲-۳۲۔ ۲ سلاطین ۱۹-۱۵-
زبور ۸۶-۱۰- یسعیاہ ۴۲+۸-۴۴+۸-۸ مرقس ۱۲-۳۲-

علاوہ ازیں مقدس نوشتوں میں اس تعلیم پر بڑا زور دیا جاتا ہے - وہ
ازلی واحد چونکہ بیحد عظیم نیک اور مقدس ہے ازل سے بذاتہ جانتا ہے
کہ میں ایسا ہوں اور وہ "اپنا جلال دوسرے کو نہیں" دلیکتا اور نہ وہ
یہ بات پسند کرسکتا ہے کہ کوئی مخلوق اُسکی اطاعت پرستش - حمد و محبت
کو ذرا سا بھی کم کرے کیونکہ اگر وہ ایسا منظور کرے تو وہ خدا نہیں رہکتا
چونکہ اُسنے سب موجودات کو اپنے لئے بنایا ہے اسلئے وہ چاہتا ہے کہ
نہ خودغرضانہ حسد سے بلکہ ازلی راستی سے اُنکا راست تعلق اُس سے ہے
اور جہانتک شخص آزاد مرضیاں اُسکی موجودات میں ہیں اگر وہ اُس
سے راست تعلق رکھتی ہوں تو اُنسے وہ یہ چاہتا ہے کہ اُسکی مرضی چاہیں
سب سے بڑھکر اُسکی تعریف کریں - اُسکی پرستش اور اس سے محبت کرتے
رہیں اور ہر بات میں یہ مانیں کہ ہم مخلوق ہیں اور وہ خالق ہے -
یہ ضرور ہے کہ شخص وجود خدا کے ذریعے خدا میں اور خدا کے لئے
زندگی بسر کریں - وہ ایسی پرستش اور محبت کا راست دعویدار ہے اور
وہی محبت و پرستش کے لایق ہے - مخلوقات جو اسطرح سے اس سے
متعلق ہے وہ اُسے ذوالجلال کرتا اور برکت دیتا ہے - جن حقیقی مومنین
کا ذکر بائبل میں ہے اُنکا روحانی تجربہ اسکا شاہد ہے - اُنکے لئے اس

اعلیٰ حکم کی اطاعت اپنی مرضی اور سمجھ اور محبت سے کرنا نہایت سعادتمندی کا کام ہے۔ وہ ایسی خوشی ہے جو بیان سے باہر ہے اور جس سے ہم اسکی بڑی عظمت کے لئے اُسکا شکر بھیجتے ہیں اور اُس عظمت میں اسکے سارے قابل تعظیم طریقوں کی حقیقی علت غائی پہچانتے ہیں۔ مثلاً دیکھو خروج ۱۵-۱۱ زبور ۷۸-۷ و ۵ و ۲۳-۱۴۶ سے ۱۵۰ تک یسعیاہ ۴۰-۱۲ سے ۲۸ یرمیاہ ۵-۲۲ و ۱۰-۷ و ۷ رومی ۱۱-۳۳ سے ۳۶ و ۱۶-۲۵ سے ۲۷ افسیوں ۱-۶ و ۷ و ۳-۲۰ و ۲۱ الخ ۶-۱۵ و ۱۶ یہوداہ ۲۴ و ۲۵ مکاشفہ ۱۹-۵۔

واحد خدا ایسا ہے اگرچہ یہ بھی اُسکا کافی خاکا نہیں ہے کیونکہ مقدس نوشتوں سے بھی وہ بن کل الوجوہ ظاہر نہیں ہوتا۔ یہ بائبل کی وحدت ہے۔

(۲) لیکن مقدس نوشتوں میں ثالوث بھی نظر آتی ہے۔ ساری کتاب میں (جیسا کہ ذکر ہوا) خدائے واحد کا ذکر ہے جو ہم سے محبت اور پرستش چاہتا ہے اور ہماری محبت و پرستش کا موضوع ہے۔ اُسکے واحد ہونیکا دعویٰ بہت تاکید سے مذکور ہے۔ تو بھی مقدس نوشتوں میں ایک سے زیادہ مشخص وجودوں کا ذکر ہے جن سے اعلیٰ درجہ کی محبت رکھنی اور جنکی پرستش کرنی ضرور ہے غرضیکہ اُنکو خدا سمجھنا ضرور ہے۔ اب اِن دونوں امور پر خوب غور کرو اُنکا مقابلہ کرو اور اِن دونوں کو ملاؤ۔ اِنکا اتفاق مقدس ثالوث کے صحیح مسئلہ سے تعلق رکھتا ہے دونوں امور ضروری ہیں۔ کیونکہ اگر دوسرا امر پہلے سے کچھ تعلق نہیں رکھتا تو دوسرے

ثالوث میں دو شخصوں کو جو حقیقتاً خدا نہیں ہیں چند الہیٰ صفات بہم کی گئی ہیں۔ کیونکہ انکی محبت اور پرستش کے بارہ میں جو فلانہ مذکورہ بالا مثالوں میں مشتمل ہوئے ہیں وہ ہرگز جائز اور روا نہ ہوتے گر وہ حقیقی خدا نہ ہوتے

ہم یہاں **بیٹے** اور **روح** کی الوہیت کا مفصل ثبوت نہ دینگے اسکے لئے دیکھو صفحہ (و)۔ مقدس ثالوث کے اندرونی تعلق کا مفصل بیان جہاں تک ہم مؤدبانہ کرسکتے ہیں اس جگہ دیا گیا ہے۔

یہاں چند مقامات کا حوالہ دیکر ہم اس امر کو جسکی بعدہٗ تشریح کی جائیگی مان لیتے ہیں اور (الف) کل سوال کا مختصر بیان کرتے ہیں۔

(ب) اِس تعلیم یا مسئلہ کا مجملاً خاکا کھینچتے ہیں۔

جس خدا کا ذکر مقدس نوشتوں میں ہے وہ **واحد وجود** ہے آدمیوں میں آدمی بھی ذات مشترک رکھنے سے واحد ہے لیکن خدا اس سے بھی زیادہ عمیق معنوں میں واحد ہے۔ **الوہیت کی وحدت** بالکل لاثانی ہے اور اس سے ایسی ازلی **ذات** مراد ہے جو لفظوں میں بیان نہیں ہوسکتی یعنے اسکا ازلی سبب اس ہی میں ہے۔ یہ **ازلی ذات** جو **ازلی واحد** ہے۔ چونکہ ازلاً و بذاتہٖ نہ صرف ہستی بلکہ **محبت** بھی ہے اسواسطے اسمیں وحدت سے کچھ بڑھکر بھی ہے یعنی تعلق۔ ایک طرح سے **واحد** اور ایک طرح سے **تین**۔ تین ارادے یا فاعل یا **اشخاص** جو ہمیشہ متفق ہیں۔ اشخاص ان معنوں میں کہ وہ باہمی علم ارادہ اور محبت رکھتے ہیں ہر ایک

کی ذات کُل الٰہی ذات ہے۔ یہ ذات صفت ہے نہ کہ مقدار۔ ہر ایک حقیقی خدا ہے۔ ہر ایک کی ذات ازلاً ایک ہے۔ تین خدا نہیں۔ ہر ایک باقی دو سے ممیز ہے تین اشخاص ہیں۔

ثالوث میں جو اندرونی مراتب ہیں وہ بھی اسطرح سے ظاہر ہوتے ہیں۔ باپ میں بیٹے اور روح القدس سے زیادہ الوہیت نہیں ہے۔ تاہم وہ باپ ہے۔ اُس میں الوہیت ازلی چشمہ کی طرح ہے۔ لیکن بیٹے اور روح القدس میں وہ ازلی ندیوں کی طرح ہے اُسکی فوقیت ایسی ہے کہ جب اُسکا ذکر بیٹے اور روح کے ساتھ آتا تو وہ اکثر محض خدا کہلاتا ہے۔ تاہم اگر ہم اِس محاورہ سے یہ نتیجہ نکالیں کہ اُسکی ذات متفرق ہے تو دیگر عبارات کے صریح خلاف ہوگا۔ جو فوقیت ہے وہ تعلق اور ترتیب کے لحاظ سے ہے مفصلہ ذیل مقامات کو دیکھئے:۔

متی ۱۱ - ۲۵ سے ۲۷ یوحنا ۵ - ۱۹ سے ۲۳ و ۲۶ و ۲۷ * ۶ - ۳۸ * ۸ - ۳۸ + ۱۰ - ۲۹ * ۱۴ - ۲۸ (۱۷ باب)

مسئلۂ ثالوث کے بارہ میں چند اَور باتیں

عہد عتیق میں ثالوث کی طرف ایما پایا جاتا ہے۔ مثلاً

(۱) خدا کا نام **الوھیم** (اللہ) تو جمع آتا ہے لیکن اُسکے لئے فعل واحد آتا ہے۔ ہم یہ تو نہیں سمجھتے کہ اِس میں کثرت فی الوحدت منکشف ہوتی ہے مگر یہ محاورہ ثالوث سے ملتا ہے۔

(۲) بہت عبارتوں میں ایک ایسے شخص کا ذکر ہے جو ایلچی بھی

پیدایش ۱۶ - ۱۰ ، ۲۲ - ۱۲ ، ۳۱ - ۱۱ سے ۱۳ سے ۲۲ - ۲۳ ۔
یشوع ۵ - ۱۳ سے ۶ - ۲ یسعیاہ ۶۳ - ۹ ، ملاکی ۳ - ۱ ۔
(۳) روح اللہ کا ایسا ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی ذات میں اُسکی روح غیر مشخص نہیں لیکن مشخص ہے ۔ محض تاثیر نہیں بلکہ عامل ہے یسعیاہ ۴۸ - ۱۶
(۴) جو برکت کاہن لوگ بنی اسرائیل کو دیتے تھے وہ تہری تھی گنتی ۶ - ۲۴ سے ۲۶ اور خدا کی تعریف بھی تہری ہے یسعیاہ ۶ - ۳
چنانچہ نئے عہدنامہ میں اِس بات پر زور نہیں دیا جاتا ہے کہ ثالوث کا مسئلہ اب ہی منکشف ہوا بلکہ اسپر کہ مسیح کے تجسم اور روح القدس کے نزول سے اُسکی صاف تشریح ہوئی ہے ۔
اگرچہ ثالوث کی تعلیم کی تشریح میں تشبیہیں کچھ کام تو آتی ہیں تاہم خدا کی ذات ایسی بےنظیر ہے کہ کسی تشبیہ سے اُسکا پورا بیان نہیں ہوسکتا ۔

غلط رائیں

(الف) تیسری صدی میں سبلیوس نے یہ تعلیم دی کہ خدا بذاتہ واحد ہے لیکن آدمیوں پر تین طرح سے ظاہر ہوتا ہے ۔ مثلاً باپ کی حیثیت میں اُسی خدا نے نجات کی تجویز کی ۔ بیٹے کی حیثیت میں دُکھ سہنے کے لئے مجسم ہوا ۔ روح القدس کی حیثیت میں آدمی کے دل پر اثر کرتا ہے ۔ اس شخص نے اِس تشریح سے مقدس نوشتوں کی مشکلات کو حل نہیں کیا بلکہ اُن سے کنارہ کیا ۔
(ب) چوتھی صدی میں آریوس نے یہ تعلیم دی کہ چونکہ مقدس نوشتوں

ہیں باپ بیٹے اور روح القدس تین متفرق اشخاص کا ذکر ہے پس خدا کی وحدت کو محفوظ رکھنے کے لئے یہ کہنا چاہیئے کہ بیٹا اور روح القدس ادنیٰ سے خدا ہیں۔ یہ تعلیم بھی مشکلات سے کنارہ کرتی ہے۔

(ج) پچھلی چار صدیوں میں ایک ایسی تعلیم نکلی جو آرائیوس کی تعلیم کی کچھ مانند ہے لیکن رفتہ رفتہ اس تعلیم نے مسیح کو ادنیٰ خدا سے انسان بنایا اگرچہ اُسے اعلیٰ انسان مانتی ہے۔ اس تعلیم کو یونی ٹیرین کہتے ہیں۔

تیسرا باب

خدا باپ کا مسئلہ

خدا کی ابوبیت کی تشریح کرنا خدا بیٹے اور روح القدس کی تشریح کے وقت مناسب ہوگا۔ اِن دونوں کا جلال خدا باپ کے جلال کا اظہار ہے۔ اور جو بیٹے اور روح القدس پر غور کرے۔ چاہیئے کہ وہ ہمیشہ اُنکے ذریعہ سے خدا باپ کو معلوم کرے۔ جو کچھ اُنکے بارہ میں منکشف ہوا وہ خدا باپ کے جلال کے لئے ہے (فلپیون ۲-۱۱)

پس مختصر طور سے ہم اِس باب میں سوچینگے کہ مقدس نوشتوں میں خدا کے ارادہ اور کام کا کیا بیان ہے۔

خلقت۔ خاص اور اعلیٰ معنے میں وہ خالق ہے۔ "خدا قادر مطلق باپ جو آسمان اور زمین کا بنانیوالا ہے" البتہ یہ بھی لکھا ہے کہ بیٹے کی معرفت روح القدس کے وسیلے سے خلقت پیدا ہوئی اور موجود ہے۔ لیکن اُنکے

بکام کرنے میں وہ جو بیٹے کا باپ اور روح القدس کا دینے والا ہے اپنے
ارادہ کو انجام تک پہنچاتا ہے پس اصل میں مقدس نوشتوں کے
مطابق خدا باپ سے بیٹے اور روح کے بغیر نہیں لیکن اُنکے وسیلے
سے خلقت ہوئی۔ یعنی غیر محدود قادر اور مہربان اللہ نے اپنے ہی آزاد
ارادہ سے اِس محدود خلقت کو نیست سے ہست کیا۔ مخفی نہ ہے
کہ مقدس نوشتوں کے مطابق اسطرح سے خلقت خدا پر منحصر ہے۔
وہ نہ اُسکی طرح ازلی ہے نہ اُسکی لازمی صفت ہے اور نہ اُس سے
متخرج ہے۔ اُسکے ارادہ پر بالکل موقوف ہے۔ یہاں تک کہ اگر خلقت
نہ بھی ہوتی تو بھی خدا میں نقص نہ ہوتا۔ یہ قابل لحاظ ہے کہ مقدس
نوشتوں میں ازلی باپ خلقت کا باپ کبھی نہیں کہلاتا ہے۔ اگر ایسا
ہوتا تو شاید اُس سے کوئی یہ نتیجہ نکالتا کہ خلقت اس سے متخرج ہے یا
اُسکی طرح ازلی ہے۔ جو ازل سے بیٹے کا باپ ہے۔ اپنے ارادہ سے
خلقت کا خالق ہوگیا۔ محدود خلقت اُسکے حکم سے شروع ہوئی۔ اگرچہ ہم
اُسکے آغاز کا پتہ نہیں لگا سکتے اور خلقت کا ایسا بیان مقدس نوشتوں میں ہمیشہ
آتا ہے کہ یہ محض خدا کے ارادہ کا کام ہے اور اسلئے بالکل ہمیشہ اُسکے
بس میں ہے۔ خدا کے سامنے نہ مادہ نہ کوئی اَور محدود شئے رکاوٹ کا
باعث ہے۔ ہاں مقدس نوشتوں کے مطابق صرف گناہ ایسی رکاوٹ
معلوم ہوتی ہے

مخلصی ۔مخلصی کا چشمہ خدا باپ کی محبت، ہے۔ کیونکہ وہ خود محبت ہے
(یوحنا ۳-۱۶+ ۶-۳۸ رومیوں ۳-۲۱ سے ۲۶ + ۸-۳۲ افسیوں ۳-
۳- سے ۱۲ + ۱ پطرس ۱-۳ و ۲۱ - ۱ یوحنا ۴-۸ و ۹ و ۱۰ و ۱۶)

ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ بیٹا باپ سے زیادہ مہربان ہے یا کہ بیٹے نے باپ کو تحریک دی کہ وہ ہم پر ترس کھائے اور ہمیں بچائے یہ مقدس نوشتوں کے بالکل خلاف ہے ۔ اِس کفارہ کا مقصد یہ نہ تھا کہ باپ کو مہربان بنائے بلکہ یہ کہ شریعت کو پورا کرکے خدا باپ کی رحمت کا میدان کشادہ کرے ۔ بحیثیت خالق وہ مخلوقات سے محبت رکھتا ہے بحیثیت حاکم شرع وہ حکم عدولوں کا مخالف ہے لیکن خود اُسنے ایک اعلیٰ انتظام کیا کہ "اُسنے اپنے بیٹے ہی سے دریغ نہ کیا" (رومیوں ۸ - ۳۲) بلکہ اُسے فدیہ میں دیا ۔ یہ فدیہ نہ صرف خدا کی حکومت کا مقتضاء تھا بلکہ اُسکی ذات کا مقتضاء تھا ۔ جو بے انت محبت باپ اور بیٹے دونوں میں ہے اُس سے یہ صادر ہوا ۔

چنانچہ یہ لکھا ہے کہ باپ نے جہان کو پیار کیا ۔ اِسکے لئے ہم خدا کا ہزار ہزار شکر کرتے ہیں ۔ خدا کے کلام میں صاف لکھا ہے کہ "اُسکی رحمتیں اُسکی ساری صفتوں پر ہیں (زبور ۱۴۵ - ۹) یہ بھی لکھا ہے کہ وہ بنی آدم سے خاص محبت رکھتا ہے ۔ اِسکے خلاف ہم کچھ نہ مانیں اور نہ کبھی اُسے بھولیں ۔ دیکھو ۱ تمطا ۲ - ۴ وہ چاہتا ہے کہ سارے آدمی نجات پائیں "۔ "وہ کسی کی ہلاکت نہیں چاہتا ہے بلکہ چاہتا ہے کہ سب توبہ کریں (۲ پطرس ۳ - ۹ حزقیل ۱۸ - ۳۲ + ۳۳ - ۱۱)

پس کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہر فرد بشر کا باپ ہے ؟ کیا ہر ایک کا حق ہے کہ اُسے اپنا باپ کہے ؟ البتہ اگر اِس محاورہ سے وہ تعلق مراد ہے جو مہربان خالق اور اُسکے پیارے مخلوق اِنسان کے درمیان ہے تو

تاہم اکثر مقدس نوشتوں میں اِن الفاظ باپ ۔ بیٹے سے نہ طبعی بلکہ فضل کا رشتہ مراد ہے نہ خِلقی بلکہ مخلصی کا رشتہ مراد ہے ۔

یہ ایسی ابنیت ہے جسکی بنیاد تبنی اور نئی پیدایش ہے۔ جو نہ آدم پر بلکہ مسیح پر منحصر ہے ۔ مثلاً متی ۵ - ۹ + ۱۳ - ۴۳ یوحنا ۱ - ۱۲ + ۸ ۴۲ رومی ۸ - ۱۴ سے ۱۷ - ۲۱ رومی ۹ - ۷ گلتیوں ۴ - ۵ و ۶ افسیوں ۱ - ۵ - ۱ یوحنا ۳ - ۱ و ۲ -

جو دعا ہمارے خداوند نے سکھائی اُس میں یہ کہنا کہ "اے ہمارے باپ" خصوصاً اپنے شاگردوں کو سکھایا (متی ۶ - ۹) اِس محاورہ سے یہ تعلیم ملتی ہے کہ ہر شخص کو نئی پیدائش کی ضرورت ہے (یوحنا ۱ - ۱۳ + ۳ - ۳ و ۵ و ۷ ۱ پطرس ۱ - ۲۳ یوحنا ۳ - ۹ + ۵ - ۴ + ۲ قرنتی ۵ - ۱۷) پاک نوشتوں میں آدمیوں کا خدا کے بیٹے کہلانا اُنکی نئی پیدائش پر منحصر ہے ۔ ایسے رشتہ کے آگے جس سے ہم الٰہی طبیعت میں شریک ہوتے ہیں ۲ پطرس ۱ - ۴ ، خالقی و مخلوقی رشتہ ایک ادنیٰ و مجازی نظر آتا ہے ۔

خدا کا شکر ہے کہ ہر شخص ایمان سے اِس رشتہ کو حاصل کرسکتا ہے ۔ اگر اِس انتظام پر ذرا غور کرنا چاہیں تو یہ معلوم کرینگے کہ خود باپ اپنے عزیز بیٹے کے ذریعہ سے گویا فدیہ یا مخلصی دیتا ہے ۔ لہٰذا مخلصی دو طرح سے مشتمل ہوتا ہے ۔

(۱) یہ کہ خدا نے سارے بنی آدم کے واسطے مخلصی کا دروازہ کھولا ہے مثلاً یوحنا ۳ - ۱۶ - ۱ تمطاؤس ۲ - ۴ + ۴ - ۱۰ -

(۲) یہ کہ اُنکے لئے جو اِس انتظام کے ذریعہ سے مخلصی پاتے ہیں

(رومیوں ۳ : ۲۳ - ۲۸ تا ۳۰ و ۱ کرنتھی ۱ - ۳۰) خصوصاً باپ کے بارہ
میں کہا جاتا ہے کہ اُسنے ہمارے گناہ بیٹے پر لادے یسعیاہ ۵۳ - ۶ -
اور یہ کہ وہ ایمانداروں کو راستباز ٹھہراتا ہے (رومیوں ۳ - ۲۴ وغیرہ
۴ - ۵) اور اُن کو تبنّی کرتا ہے .

خدا باپ کی بابت یہ لکھا ہے کہ وہ نہ صرف بیٹے کو بلکہ روح القدس
کو بھی ہمارے لئے بھیجتا ہے جسکی تاثیر سے ایسا ہوتا ہے کہ جو کوئی
مسیح کے پاس ایمان سے آتا ہے وہ اُس سے نئی زندگی کی نعمت حاصل
کرتا ہے (لوقا ۱۱ - ۱۳ یوحنا ۱ - ۱۳ + ۳ - ۸ رومیوں ۵ - ۵ ۱ پطرس
۱ - ۲ یوحنا ۶ - ۴۴ و ۴۵)

پس اصل میں خدا باپ نئی پیدایش کا منبع ہے کیونکہ اُسکی بلاہٹ
سے آدمی نئی پیدایش پاتا ہے - ایسی بلاہٹ آدمی کی مرضی کو ایک طرح
سے مجبور تو نہیں کرتی لیکن اُسپر تاثیر کرتی ہے (مقابلہ کرو رومیوں ۸ -
۲۹ و ۳۰ - ۱ کرنتھی ۱ - ۲۴ - یوحنا ۱۷ - ۱۱ و ۱۵ - ۱ پطرس ۱ - ۵)

اِس موقع پر وہ مشہور دقت پیش آتی ہے جسے تقدیر کہتے ہیں یعنے
یہ کہ خدا نے اپنے برگزیدوں کو پیشتر سے اِس بلاہٹ کے واسطے چُن لیا
ہے ایسا بھید ہے جسکا ذکر بڑے تامل اور الٰہی خوف کے ساتھ کرنا چاہیئے -
چند ہی قدم اُٹھاکر ہم یہ معلوم کرتے ہیں کہ آگے پاؤں رکھنے کی جگہ نہیں
تقدیر سے کبھی ایسا نتیجہ نہ نکالیں جس سے ہم اُس حقیقت یعنی خدا کی
محبت کو نظر انداز کریں - حاشا کہ ہم خدا کو ذرہ بھی بے رحم یا بے انصاف
سمجھیں - حاشا وکلا کہ کبھی ہم یہ خیال کریں کہ خدا اپنی کسی صفت کو دوسری

[illegible]
نقیض بھی دکھائی دیں مثلاً یہ کہ ہم اسکی تقدیر کو اسکی محبت سے از روئے
منطق ملا نہیں سکتے ہیں۔

جب کبھی غیر محدود اور محدود کے تعلق پر غور کیا جاتا ہے تو اس قسم
کی مشکلات ہمیشہ پیش آتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ کیوں غیر محدود ارادہ محدود
وسایل کو استعمال کرے؟ کس طرح سے غیر زمان کو زمان سے علاقہ ہوسکتا
ہے؟

اسیطرح سے تقدیر کا بھید ہے۔ مقدس نوشتوں میں برگزیدوں کے
بارہ میں ایسا کچھ پایا جاتا ہے جو تقدیر پر مبنی ہے۔ کچھ۔ اسلئے کہ یہ انجیل
کا جزو اعظم نہیں۔ یہ نہ تجسم نہ کفارہ نہ نئی پیدایش کے برابر ہے۔ لیکن
ہے تو سہی۔ مثلاً رومیوں ۸-۲۸ و ۲۹ و ۳۰ و ۳۳ :: افسیوں ۱-۴
۲ تسلونیقی ۲-۱۳ ۱ پطرس ۱-۲ خصوصاً رومیوں ۹-۶ تا ۲۵ نیز ۲
تمطاؤس ۱-۹ رومیوں ۱۱-۲۔ جہاں بنی اسرائیل کی برگزیدگی خدا کی نیت
پر منحصر معلوم ہوتی ہے (استثناء ۷-۷ و ۸ :: ۹-۴ و ۶)

اقرنتی ۱-۲۷ و ۲۸ پولوس رسول ایک ایسی الٰہی تاثیر کا ذکر کرتا ہے جو
بلا لحاظ انسانی لیاقتوں کے آدمیوں کے دلوں پر موثر ہے (افرنتی ۴-۷ ::
افیون ۲-۸)۔ جہاں مسیحی آدمی اپنی نجات کو شروع سے آخر تک خدا
کی بخشش سے منسوب کرتا ہے بعض آیات بھی ایسی ہیں جن میں لکھا
ہے کہ خدا باپ بیٹے کو ایسے آدمی دیتا ھے جو نجات کے وارث
ہونگے (یوحنا ۶-۳۷ :: ۱۰-۲۹ :: ۱۷-۲ و ۳ و ۶ و ۹ و ۱۱ و ۱۲ و ۲۴)
البتہ کئی عبارتوں میں یہ انتخاب بیٹے سے منسوب ہے مثلاً یوحنا ۶

۲۰ ÷ ۱۳-۱۸ ÷ ۱۵-۱۶ و ۱۹ ÷ اعمال ۱-۲ و ۲۴ ÷ ۹-۱۵ ÷

اِن آیات میں جو انتخاب مذکور ہے وہ کسی خاص کام کے واسطے ہے مثلاً رسولوں کا انتخاب ہے۔ مگر جب اصلی و اعلیٰ انتخاب کا ذِکر ہے تو وہ خدا باپ سے منسوب ہوتا ہے۔

یوحنا کی انجیل کے ۱۷ باب میں (جِسکا ذِکر ہوا) یہ بات نظر آتی ہے کہ کلیسیا (یعنی مسیح کا روحانی بدن) کی نجات کے انتظام میں خدا باپ کا بیٹے سے کیا تعلق ہے۔

عہدِ جدید میں خدا باپ کی جو محبّت خدا بیٹے سے ہے وہ سب باتوں سے زیادہ پائی جاتی ہے (یوحنا ۱-۱۸ ÷ ۵-۲۰ مرقس ۱۲-۶ متی ۳-۱۷ یوحنا ۱۷-۵ افسیون ۱-۱۰ و ۱۱ فلپیون ۲-۹ سے ۱۱ فلسیون ۱-۱۶ سے ۱۸) پس تعجب کی بات نہیں کہ خدا بیٹا نہ صرف لاثانی کفارہ اور کلیسیا کا بادشاہ و سرہے بلکہ عالموں سے پیشتر جب تقدیر ٹھہرائی گئی تو اُس انتظام کے بارہ میں خدا باپ نے بیٹے سے عہد کیا مثلاً افسیون ۱-۴ میں لکھا ہے کہ مسیح میں "اُسنے بنائے عالم سے پیشتر چُن لیا" ۵ آیت میں لکھا ہے کہ یسوع مسیح کے وسیلے سے لے پالک بیٹے "مقرر ہوئے" (دیکھو افسیون ۱-۱۱ ÷ ۲ تمطا ۱-۹ رومیوں ۸-۲۹ ÷ افسیون ۱-۶ ÷ ۱ قرنتی ۲-۱۷ ÷ افسیون ۴-۴ ÷ اقرنتی ۱-۳۰ ÷ ۱۱-۳ ÷ ۱۲-۱۲ گلتیون ۳-۲۰ ÷ افسیون ۱-۲۲ ÷ ۴-۱۵ ÷ ۵-۲۳ فلسیون ۱-۱۸ ÷ ۲-۱۹ یوحنا ۱۰-۲۸ و ۲۹ ÷ رومیوں ۸-۱۷)

اِس ساری تجویز میں جو بنائے عالم سے پیشتر نکالا گیا، ہم دیکھتے

کہ وہ ذوالجلال بیٹا، کلیسیا کا کاہن - بادشاہ - سر اور دلہا ہو - تاکہ وہ نہ صرف خلقت کا سر ہو (کلسیوں ۱ - ۱۷) بلکہ خصوصاً نئی خلقت یعنے کلیسیا کا اور نئی انسانیت کے لئے ساری روحانی برکتوں اور ہمیشہ کی زندگی کا چشمہ ہو (افسیوں ۱ - ۲۳ - ایوحنا ۵ - ۱۱) انسان کے واسطے خدا بیٹے کی رفاقت کے بغیر نہ مقبولیت نہ اطمینان نہ پاکیزگی نہ جلال ہوسکتا ہے - خدا جو حفاظت ہماری کرتا ہے اور جو فضل وہ دیتا ہے اُسکا مقصد یہ ہے کہ یہ رفاقت حاصل ہو (رومیوں ۸ - ۲۸)

مسیح میں کلیسیا کا بننا - کلیسیا میں مسیح کا جلال پانا اور اس ہی امر سے خدا باپ کا جلال ظاہر ہونا یہی اُسکی ساری تجویزوں کا مطلوب ہے (یوحنا ۱۷ - ۱ * افسیوں ۲ - ۷ * ۳ - ۱۱)

اسکے مطابق بنی آدم کی نجات کا انتظام خدا باپ اور بیٹے کے درمیان عہد جیسا نظر آتا ہے (گلتیوں ۳ - ۱۷ * افسیوں ۲ - ۱۲ * عبرانی ۷ - ۲۲ * ۸ - ۶ * ۹ - ۱۵ * ۱۲ - ۲۴ * ۱۳ - ۲۰) آدمی کے بارہ میں عہد کے مقاصد یہ ہیں (عبرانی ۸ - ۶ سے ۱۳ * ۱۰ - ۱۶ و ۱۷ * یرمیاہ ۳۱ - ۳۳ و ۳۴) یعنی اوّل یہ کہ وہ گنہگاروں کو بالکل مفت قبول کرتا ہے - "میں انکی بُرائیوں پر رحم کرونگا" دوم یہ کہ خدا اپنی مرضی کو اُنکے دل اور عقل پر نقش کریگا - یہ دو باتیں مسیحی اصطلاح میں راستباز ٹھہرنا اور پاکیزہ ہوتے جانا کہلاتی ہیں - یعنی خدا کی قدرت کے ذریعہ سے گناہ کی قصورواری اور گناہ کی طاقت سے بچنا - ان دو برکتوں کا عہد صریحاً و کنائیتاً مقدس نوشتوں میں ایسا مذکور ہے کہ خدا باپ نے خدا بیٹے سے ابدی وعدہ کیا ہے کہ بیٹے کے پیروؤں کو یہ برکتیں مسیح کے کفارہ کے سبب سے

عطف ملاکی (متی ۲۶ - ۲۸ ، مرقس ۱۴ - ۲۴ ، لوقا ۲۱ - ۲۰ ، ۱ قرنتی ۱۱ - ۲۵ ، عبرانی ۹ - ۱۵ ــ ۲۲ ، ۱۳ - ۲۰) - خدا بیٹا جو اس اہم امر میں ہمارا وکیل ہے اور انسان کی حیثیت میں گناہ اور موت پر غالب آیا ہے ۔ باپ کی تدبیر کے مطابق اپنے لوگوں کے واسطے "معافی" ۔ "پاکیزگی" "ابدی زندگی" کا امین و ضامن ہے (۱ قرنتی ۱ - ۳۰) ۔ "مسیح خدا کی طرف سے ہمارے واسطے حکمت ہے یعنی راستبازی و پاکیزگی و مخلصی" ۔ یہ وسیع تو کل نوع انسان کے لئے ہے لیکن فی الواقع حاصل مسیح کے پیروؤں کو ہے یعنی برگزیدہ لوگوں کو جنکا ذکر اوپر ہوا ۔

حاصل کلام خدا باپ نے ایک عجیب موزون ابدی تدبیر نکالی ہے ۔ جسکے مطابق ساری باتیں خدا باپ کی مرضی کو اسطرح پورا کرتی ہیں کہ خدا بیٹے کا جلال ظاہر ہو اور اس میں اسکے پیروؤں کا اور سب میں خدا باپ کا جلال ظاہر ہو ۔ اگر اسپر خوب لحاظ کیا جائے تو نجات کا سارا انتظام منور ہوجاتا ہے اس میں کوئی بات موہوم نہیں نہ کوئی بات اتفاقی و متغیر ہے ۔ یہ ارادۂ الٰہی ہے ۔ تقدیر و تقرر الٰہی ہیں اور یہاں وسائل بھی جنکے ذریعہ سے پوری روحانی برکت انسان کو ملتی ہے ۔

جو خدا کا ٹھہرایا ہوا ارادہ (اعمال ۲ - ۲۳) حقیقی کلیسیا کو چنتا ہے وہی فرداً فرداً اسکے اعضا کو اس میں پیوند کردیتا ہے ۔ اور اسی نے کلیسیا کے سر یعنی مسیح کے کفارہ اور فتحیابی کے ذریعہ سے ہرایک عضو کی بھلائی اور روحانی زندگی کا انتظام کیا ہے ۔

ضمیمہ

تیسرے باب کا

مسئلہ تقدیر پر غور کرنے والوں کے لئے چند ہدایات

(۱) یاد رکھنا چاہیئے کہ تقدیر کا بیان مقدس نوشتوں میں محض جبر کے طور پر نہیں آتا بلکہ ہمیشہ ایک مہربان خالق سے منسوب ہوتا ہے علاوہ ازیں وہ اس بات سے بھی متعلق ہے کہ انسان محض مخلوق نہیں بلکہ بگڑا ہوا یعنی گنہگار مخلوق ہے (رومیوں ۹: ۱۰ سے ۲۴)

(۲) مقدس نوشتوں کے مطابق خدا کی تقدیر انسانی مرضی کو مجبور نہیں کرتی ہے یعنی اُنکی تعلیم ہمیشہ انسانی مرضی کو ایسا ظاہر کرتی ہے کہ گو وہ محدود ہو لیکن خود مختار ہے۔ اور تاہم باوجود انسانی خود مختاری کے آخرکار یہ ظاہر ہوگا کہ خدا ہی کا ارادہ بر آیا۔

(۳) خدا کی تقدیر (مقدس نوشتوں کے مطابق) روحانی طور سے ظاہر کی گئی ہے۔ وہ محض عقلی مباحثہ نہیں ہے

(۴) خدا کی تقدیر (مقدس نوشتوں کے مطابق) الٰہی تعلیم کا خلاصہ ہے اور نہ اسکا جزو اعظم ہے۔ بلکہ اس تعلیم پر اگر کوئی اتنا زور دے کہ گناہ کرنے کا بہانہ کرے وہ اپنے آپ کو دھوکا دیتا ہے۔

(۵) پاک نوشتوں کے مطابق خدا باپ نہ صرف ظاہری طور پر بلکہ حقیقتاً
تمام آدمیوں کو نجات کے لئے بلاتا ہے اور اُسکے سفیروں کا فرض ہے کہ
سارے آدمیوں سے التماس کریں کہ "وہ خدا سے میل کریں" (۲ کرنتھیوں
۵: ۲۰) وہ اس منادی کو محدود نہ کریں بلکہ [illegible] رکھیں کہ یہ انسان
کی محدود عقل کے پہنچ سے باہر ہے کیونکہ اگرچہ خدا نے بعضوں کو برگزیدہ
مقرر کیا تو بھی وہ سبھوں کو بلاتا ہے۔

(۶) اس موقعہ پر یہ سوال مناسب ہوگا کہ مسیح کے کفارہ کے مقصد
کی وسعت کہاں تک ہے۔ یعنی یہ کہ آیا وہ ہر فرد بشر کے لئے ہوا یا
صرف برگزیدوں کے لئے ہوا۔

(اوّل) ہر فرد بشر کے لئے ہوا (یسعیاہ ۵۳: ۶، یوحنا ۱: ۹، ۱ تیمتھیس
۲: ۶، ۱ یوحنا ۲: ۲، ۲ کرنتھیوں ۵: ۱۹)۔

(دوم) صرف برگزیدوں کے لئے (یوحنا ۱۰: ۱۵ و ۲۶ و ۲۹، افسیوں
۵: ۲۵ تا ۲۷، ۱: ۱۱)۔

شاید یہاں بھی جس طرح کہ تقدیر و خودمختاری کے بارہ میں ان دونوں کو
ملانا ہمارا کام نہیں ہے لیکن ہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ ایک طرح سے
مسیح کا کفارہ اپنا مقصد پورے طور سے حاصل کریگا تو بھی اسکی وسعت سے
یہ ظاہر ہے کہ خدا سب کی بھلائی چاہتا ہے۔

(۷) مقدسوں کا استقلال یا یہ کہ اُنکی حفاظت میں خدا کا استقلال
ایک طرف تو کتاب مقدس میں ایسی عبارتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے
کہ حقیقی مقدس لوگ برگشتہ و ہلاک نہیں ہو سکتے ہیں (یوحنا ۱۰: ۲۸

یوحنا ۱۲ - ۳۲) دوسری طرف ایسی ہیں ...

ہوسکتے ہیں (مثلاً یوحنا ۱۵ - ۶ ؛ متی ۲۴ - ۱۳ ؛ ۱ قرنتی ۹ - ۲۷ ؛ ۱۰ ؛ ۵ ؛ عبرانی ۶ - ۶ ؛ ۱۰ - ۲۶)

بحیثیت مجموعی مقدس نوشتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی مقدس لوگ کبھی ہلاک نہ ہونگے۔ لیکن مذکورہ بالا عبرت نما آیات بھی ہیں تاکہ ہر ایک مسیحی اپنے تئیں وقتاً فوقتاً بخوبی جانچے کہ آیا وہ سچ مچ حقیقی مسیحی ہوں یا نہیں (متی ۱۳ - ۲۰ و ۲۱ و ۲۲ ؛ ۱ قرنتی ۱۱ - ۲۸ ؛ ۱ یوحنا ۲ - ۱۹)۔

(۸) آیا خدا کبھی اپنا فضل ہٹا لیتا ہے ؟ اگر فضل سے خدا کی کوئی نہ کوئی بخشش مراد ہو یعنی روح القدس کی ایسی تاثیر جو آدمی کو نجات کیطرف ترغیب دیتی ہے تو بیشک ایسا فضل کبھی جاتا رہتا ہے (مقابلہ کرو اعمال ۲۴ - ۲۵ یوحنا ۱۶ - ۸ سے ؛ یوحنا ۱۵ - ۶)۔ لیکن اگر فضل سے وہ تاثیر مراد ہے جو نو پیدائش یافتہ لوگوں میں ہوتی ہے تو کہنا چاہیئے کہ مقدس نوشتوں میں اُسکے جاتے رہنے کا کچھ پتا نہیں بلکہ اسکے مقابلہ کرو یوحنا ۱۰ - ۲۸ ؛ ۱۷ - ۲ و ۳ و ۲۴ ۔ مقدس نوشتوں میں اس خیال کا نام و نشان پایا نہیں جاتا کہ کوئی حقیقی عضو مسیح کے روحانی بدن سے کاٹا جائیگا ۔

(۹) الآخر ۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس قسم کے بھید وہی شخص سمجھتے ہیں جو خدا سے قربت رکھتے ہیں ۔

تقدیر کے بارہ میں رائوں کا سُراغ

اِس بھید کے بارہ میں بہت سی رائیں ہوئیں ۔ مختصراً انکا بیان کیا جاتا ہے ۔

(۱) تقدیر سے صرف قوم کا انتخاب مُراد ہے ۔ بعض اس رائے کی تائید میں رومیوں ۹ و ۱۰ و ۱۱ بابوں کو پیش کرتے ہیں ۔ بیشک قوموں کا انتخاب تو ہے لیکن جو تقدیر یہاں مذکور ہے اُسکا کافی بیان نہیں مثلاً یوحنا ۱۷ باب رومیوں ۸ ۔ ۲۸ سے ۳۹ تک ۔

(۲) کلیسیا کا انتخاب ۔ یہ بہت عام رائے ہے لیکن اگرچہ بادی النظر میں کئی آیات اِسکی ممد معلوم ہوتی ہیں (۱ پطرس ۱ ۔ ۲) تاہم یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کلیسیا سے کیا مراد ہے ۔ کیونکہ برگزیدہ لوگ محض کسی خاص ظاہری کلیسیا کے ممبر نہیں بلکہ حقیقی ایماندار لوگ مسیح کا بدن ہیں ۔

(۳) **تقدیر مشروط** ۔ یعنی یہ کہ برگزیدگی اِس بات پر منحصر ہے کہ خود برگزیدوں میں کوئی خاص خاصیت ہے پس برگزیدہ شخص وہی ہے جسے خدا پیش بینی سے جانتا ہے کہ ایمان لائیگا ۔ اِس طرح سے اُسکی خاصیت یہ ہے کہ وہ خدا کے فضل عام کو رَد نہیں کرتا ہے ۔ بعض لوگ اِسطرح سے اِس رائے کا بیان کرتے ہیں کہ خدا نے یہ ٹھہرایا کہ ایمان لانے والے نجات پائینگے پس جو کوئی ایمان لانیوالوں کے شمار میں داخل ہوتا ہے تو وہ برگزیدوں میں شامل ہوتا ہے ۔ البتہ یہ رائے یہانتک سچ

ہیں یہ [illegible]

مقدس نوشتوں کی صریح تعلیم یہ ہے کہ آدمی اپنی نجات کے لئے کچھ نہیں کر سکتا ہے اور یہ کہ تقدیر بڑا بھید ہے۔

(۴) انتخاب در انتخاب - یہ رائے ہے کہ مقدس نوشتوں میں انتخاب کے ایک ہی معنے نہیں بلکہ ایک طرح سے سب بپتسمہ یافتہ لوگ برگزیدہ ہیں۔ حالانکہ اُنہیں سے حقیقی ایماندار خاص طور سے برگزیدہ ہیں یا کہ سب ایمان لانے والے ایک برگزیدہ اُمت ہیں لیکن اُن میں سے صرف بعض آخر تک قایم رہنے کا فضل پاتے ہیں اس میں بھی کچھ سچائی ہے کیونکہ ہر ایک نعمت خواہ ظاہری ہو خواہ باطنی ہو خدا کے انتخاب سے ہے لیکن عہد جدید میں اسپر زور دیا جاتا ہے کہ خدا کا انتخاب ایک بھید ہے جو ایسے سرسری طور سے حل نہیں ہو سکتا۔

تقدیر کے بارہ میں رائیوں کا بیان

چوتھی صدی کے آخر تک اسکے بارہ میں کچھ مباحثہ نہیں ہوا۔ پانچویں صدی کے شروع میں آگسٹین نے پلاگیوس سے اسکی بابت مشہور مباحثے کیا۔ پلاگیوس نے یہ تعلیم دی کہ انسان ایسا آزاد ہے کہ پاکیزگی اسکی طبعی مرضی پر منحصر ہے۔ اسکے برخلاف آگسٹین نے اپنے ذاتی تجربہ سے یہ معلوم کرکے کہ گناہ کیسا زورآور ہے اور انسان کیسا کمزور ہے یہ سکھایا کہ آدمی اپنی ہی مرضی سے گناہ میں پڑا۔ پھر خدا نے کسی نہ کسی نیک و معقول سبب سے جو ہمکو معلوم نہیں یہ ٹھانا کہ میں آدم کی نسل سے بعضوں کو نہ کہ سبھوں کو نجات دونگا۔ اور یہ نجات ظاہری کلیسیا ہی میں پائی

جاتی ہے لیکن بپتسمہ یافتگان میں سے بلکہ ان میں سے بعضوں نے
حقیقتاً نئی پیدائش پائی ہے صرف ایسی کو قائم رہنے کا فضل حاصل
ہوتا ہے۔

اگسٹین نے اس بات پر بہت زور دیا تھا کہ خدا کی مرضی مطلق العنان
ہے اور آدمی کی مرضی پر منحصر نہیں۔

پندرھویں صدی سے سترویں صدی تک تقدیر کے بارہ میں بحث
مباحثہ رہا۔ ان لوگوں نے تقدیر پر زور دیا۔ انسلم، ٹامس ایکوائنس۔
جینسن۔ پسکال۔ دوسری طرف جان ڈنس سکوٹس تھا پاپا نے عملی
طور پر فریق ثانی کی کچھ تائید کی تھی لیکن ٹرینٹ کے مجمع میں (۱۵۴۶
سے ۱۵۶۳) اگسٹین کی اکثر تعلیم مانی گئی۔ اصلاح اعظم کے اکثر عالم
تقدیر کی تعلیم کو پورے طور مانتے تھے اور اگسٹین کے پیرو تھے مثلاً
کالون (۱۵۰۹ سے ۱۵۶۴) لوتھر، میلانکتھن، ہوکر۔

سترویں صدی میں چونکہ کالون کے پیرووں نے تقدیر پر زیادہ زور دیا
تھا اسلئے بہت عالم اس طرف مائل ہوگئے کہ نجات آدمی کی مرضی پر
موقوف ہے۔ ان میں سے سب سے مشہور ارمنیاس تھا (۱۵۶۰ سے
۱۶۰۹) حتیٰ کہ اس تعلیم کے مدد آجتک ارمنی ہی کہلاتے ہیں اور
تقدیر کے مدد کالونی کہلاتے ہیں۔

اٹھارھویں صدی میں خاصکر انگلستان میں یہ مباحثہ پھر سرسبز ہوا۔
مثلاً جان وزلی اور چارلس وزلی ارمنی ہی تھے مگر وٹفیلڈ، ٹاپلیڈی وغیرہ کالونی
تھے۔ اس صدی میں امریکہ کے مشہور عالم جاناتھن ایڈورڈ نے تقدیر کی

چوتھا باب

خدا کے بیٹے کا مسئلہ

اس میں ہم دو باتوں کا ذکر کرینگے

(۱) مسیح کی شخصیت

(۲) مسیح کا کام

(۱) مسیح کی شخصیت

نہایت ادب و تعظیم سے اپنے خداوند اور نجات دہندہ کی شخصیت اور کام کا ذکر کرتے ہیں۔

ابن جو ایتعالیٰ کا کلمہ اور ازل سے ایتعالیٰ کا مولود ہے خدائے برحق و ازلی ابدی اور اسکا اور ایتعالیٰ کا ایک ہی جوہر ذات ہے اُسنے ذات انسانی مریم کنواری کے رحم میں اُسکے جوہر سے قبول کی چنانچہ دو پوری اور کامل ذاتیں یعنی الوہیت اور انسانیت ایک شخص میں ایسی وابستہ اور متوصل ہوگئیں کہ پھر کبھی دونوں کی جُدائی نہیں ہوسکتی اور اُن سے ایک مسیح ہوا جو حقیقی خدا اور حقیقی انسان ہے۔ اور اُسنے فی الواقع دُکھ سہا اور وہ مصلوب ہوا اور مرگیا اور مدفون ہوا تاکہ اپنے باپ کو ہم سے ملائے اور نہ صرف آدمیوں کے موروثی گناہ کے سبب کے لئے بلکہ اُنکے سب فعلی گناہوں کے لئے بھی قربان ہو (مسئلہ دوم۔ فرخ صاحب کا ترجمہ)

جب اُسکا نام سُنتے ہیں تو چاہئے کہ ہماری روحیں اُسکے آگے سر خم کریں اور اُسکی تعظیم کریں اور "اقرار کریں کہ یسوع مسیح خداوند ہے تاکہ خدا باپ کا جلال ہو" (فلپیون ۲ : ۳) ۔ (مکاشفہ ۱ - ۱۷ و ۱۸)

مقدس نوشتوں میں سے یہ آیات اُسکی الٰہی ذات کو صاف طور سے ظاہر کرتی ہیں (یوحنا ۱ - ۱ سے ۴ ٭ یوحنا ۸ - ۵۸ ٭ ۲۰ - ۲۸ اعمال ۲۰ - ۲۸ ٭ رومیوں ۹ - ۵ ٭ طیطس ۲ - ۱۳ ٭ عبرانی ۱ - ۸)

یاھوہ کا نام جو پُرانے عہدنامے میں خدا کا خاص نام ہے ذیل کی آیات میں وہ مسیح سے منسوب ہوتا ہے (یوحنا ۱۲ - ۴۱ یسعیاہ ۶ - ۵ سے مقابلہ کرو ٭ ۱ قرنتی ۱۲ ۳ فلپیون ۲ - ۱۱) لیکن بخوبی یاد رکھنا چاہئے کہ یہ امر محض چند آیات پر مبنی نہیں ہے بلکہ سارے عہدنامہ جدید میں یہ امر مسلمہ ہے کہ وہ الٰہی ہے ۔ مثلاً متی ۱۱ - ۲۷ میں ذکر ہے کہ خدا باپ ہی اُس سے پورے طور سے جان سکتا ہے (فلپیون ۳ - ۷ سے ۹ ٭ افسیون ۳ - ۸ و ۱۹) بنی آدم کا وہی پناہ و آسرا ہے متی ۱۱ - ۲۸ - سارے بنی آدم کو آرام دینے کا دعویٰ کرتا ہے ۔

افسیون ۱ - ۲۲ و ۲۳ ٭ ۵ - ۲۵ وہ تمام کلیسا کا خداوند سر اور دلہا ہے (یوحنا ۲۱ - ۲۲ ٭ رومیوں ۱۴ - ۷ سے ۹) اپنے بندوں کی زندگی اور موت کا مالک ہے ۔ اور پھر یہ بھی کہ وہ ہمیشہ بیگناہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے مثلاً یوحنا ۸ - ۴۶ و ۲۳ ٭ ۸ - ۲۹ ٭ ۱۷ - ۴ ۔

مخفی نہ رہے کہ یہ باتیں اُنہی نوشتوں میں پائی جاتی ہیں جو اِسپر زور دیتے ہیں کہ خدا واحد ہے ۔ پس اس سے یہ صاف نتیجہ نکلتا ہے

باوجود بھی وہ خدا بیٹا ہے ۔ یہی مقدس نوشتے بیان کرتے ہیں ۔ وہ
ازل سے خدا کا بیٹا ہے نہ صرف اپنی انسانیت و تجسم کے سبب سے
بیٹا کہلاتا ہے بلکہ اپنی الٰہی ذات کے لحاظ سے اُسکا خدا باپ سے ایسا
عجیب تعلق ہے کہ جس سے اُسکا ٹھیک ازلی لقب بیٹا ہے ۔ کیونکہ
جسطرح سے کہ عام بیٹے باپ کی ذات رکھتے ہیں اُسی طرح سے خدا بیٹا
اپنے باپ کی ذات پورے طور سے رکھتا ہے ۔ بیٹے ہونے کے لحاظ
سے وہ باپ سے کم تو ہے لیکن ذات کے لحاظ سے اُسکے برابر ہے ۔
یہ ازلی ابنیت کہلاتی ہیں ۔ اِسکا مطلب یہ ہے کہ مقدس نوشتوں
میں یہ صاف بیان ہے کہ مسیح تجسم سے پیشتر خدا بیٹا تھا اور یہ کہ وہ
ازلی بیٹا ہے (یوحنا ۱-۱۸ ÷ ۵-۱۸ ÷ ۱۴-۲۸ ÷ ۱۷-۵ و ۲۴ قلسیون
۱-۱۳ سے ۱۷ عبرانی ۱-۲ و ۸ ÷ ۲-۱۴ سے ۱۷ ÷ ۱یوحنا ۴-۹)

مسیح **لوگاس** (یعنی کلام) بھی کہلاتا ہے (یوحنا ۱-۱ و ۲ و ۳ و ۱۴
۱یوحنا ۱-۱ ÷ مکاشفہ ۱۹-۱۳) ۔

اسکندریہ واقعہ مصر کے ایک عالم یہودی مسمیٰ فائیلو نے یہ لقب لوگاس
استعمال کیا ۔ لیکن اِس سے اُسکی مُراد خدا کی ازلی عقل تھی نہ کہ وہ کلام جس
سے عقل کے خیالات ظاہر ہوتے ہیں (یونانی لفظ کے یہ دونوں معنے
ہیں)

فلسطین کے عالم یہودی جب خدائے متکلم کا ذکر کرنا چاہتے تھے ۔ تو اس
موقع پر ایک عبرانی لفظ ممرا کو استعمال کرتے تھے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ مقدس
یوحنا نے روح القدس کی ہدایت سے لفظ لوگاس کو اسی معنے میں استعمال
کیا

ماھیت کے بارہ میں آرایاس کا مشہور مباحثہ ہوا۔ آرایاس کے پیرو مسیح کے بارہ میں ہم ماہیت کا محاورہ قبول نہیں کرتے تھے۔ ایک فرقہ کے لوگ مشابہ ماہیت مانتے تھے لیکن صحیح تعلیم والے ہمیشہ اس بات پر زور دیتے تھے کہ بیٹا باپ کے ساتھ ہم ماہیت ہے۔ اصل میں اس مباحثہ کی بنیاد یہ تھی کہ آیا مسیح حقیقی خدا ہے یا نہیں۔

تجسم

مقدس نوشتوں میں ان آیات پر ملاحظہ کیجئے۔ یوحنا ۱-۱۴ ، متی ۱-۱۰ ، لوقا ۱-۳۱ سے ۳۵ ، یوحنا ۶-۵۱ ، ۸-۴۰ و ۵۸ ، ۱۰-۵ ، رومیوں ۱-۳ و ۴ ، ۸-۳ ، ۹-۵ ، گلتیوں ۴-۴ ، فلپیوں ۲-۵ سے ۸ ، ۱ تمطاوس ۲-۵ ، عبرانیوں ۲-۹ سے ۱۶ ، ۴-۱۵ ، ۱ یوحنا ۱-۱-۲ ، ۴-۲ و ۳ مقابلہ کرو پیدائش ۳-۱۵ ، ۲۲-۱۸ ، یسعیاہ ۷-۱۴- میکہ ۵-۲ ، ذکریاہ ۱۳-۷۔ ان عبارتوں سے یہ باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

(۱) شروع سے آخر تک ایک ہی شخص کا ذکر ہے جو پیدا ہوا جس نے نشو و نما پایا دکھ اُٹھایا۔ وہی شخص یہ کہتا ہے کہ پیشتر اس سے کہ ابراہیم تھا میں ہوں۔ اور یہ کہ دُنیا سے پیشتر جلال میں باپ کے ساتھ تھا۔ جو خدا کی صورت میں قایمی خدا کی ذات رکھتا تھا۔ اسی نے خادم کی صورت پکڑی اور موت تک فرمانبردار رہا۔

(۲) دو ذاتیں ہیں یعنی الہی اور انسانی - یہ دونوں ذاتیں اس ایک شخص میں پائی جاتی ہیں۔ وہ خدا ھے یسعیاہ ۶-۵ ، یوحنا ۱۲-۴۱ سے مقابلہ کرو وہ آدمی بنگیا یعنی پورے طور سے انسان جیسیں

ایک طرح سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ آزمائش پر غالب آیا کیونکہ اُسمیں گناہ سے بچنے کی پوری طاقت تھی اور دوسری طرح سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ اُسکے لئے گناہ کرنا ناممکن تھا۔

(۷) مسیح نے جو اپنے تئیں "ہیچ" کردیا اسکے خواہ کچھ ہی معنے ہوں تاہم مجسم خداوند مسیح انسان بھی تھا اور خدا بھی۔ جسنے سچ مُچ آزمائشیں بھوکھ پیاس وغیرہ کی برداشت کی اُسی نے نوع انسان کے سب تھکے ماندوں کے آگے آرام پیش کیا۔ اُسی نے اپنی ازلیت پر زور دیا (یوحنا ۳-۱۳)

(۸) مجسم خداوند کے چند القاب :-

(الف) خدا کا بیٹا۔ یہ لقب تین طرح سے مستعمل ہے۔

(اول) ازلی بیٹا (یوحنا ۱-۱۸) (دوم) اعجازی پیدایش کے سبب سے (لوقا) ۱-۳۵)، (سوم) اُسکے جی اُٹھنے کے سبب سے (اعمال ۱۳-۳۳ و ۳۴)

(ب) ابن آدم۔ اناجیل میں صرف مسیح یہ لقب اپنے لئے استعمال کرتا ہے۔ اُسکے شاگرد اعمال ۷-۵۶ + مکاشفہ ۱-۱۳۔ مقابلہ کرو دانیال ۷-۱۳۔

(ج) آدم ثانی (اقرنتی ۱۵-۴۷) جسطرح سے کہ آدم اول انسان مخلوق و افتادہ کا گویا سر اور وکیل ہے اُسیطرح مسیح انسان نو و کامل شدگان کا سر اور وکیل ہے۔ ہر فرد بشر آدم اول میں ہے کیونکہ اُنکی نسل ہے اسیطرح ہر فرد بشر جسنے نئی پیدایش پائی

ہے آدم اول نوع انسان کا سر ہے۔ آدم ثانی انسانِ نو کا سر ہے۔

مسیح کی شخصیت کی تعلیم کا سراغ

(۱) پہلی تین صدیوں میں۔ شروع ہی سے مسیحی لوگ مسیح کی پرستش کرتے تھے اور اُنکے دشمن بھی الزام اُنپر لگاتے تھے۔ البتہ کلیسیا ہی میں بعض غلط رائیں پائی جاتی تھیں (۱یوحنا ۴-۱ سے ۳ + ۲ پطرس ۲-۱) لیکن کلیسیا کی عام رائے کے بارہ میں کچھ شک نہیں ہے۔

(۲) چوتھی پانچویں صدیاں (الف) آریاس کی تعلیم جسکا ذکر ہوا اس مباحثہ کے بعد کلیسیا کی عام رائے راسخ رہی۔

(ب) قریباً ۳۶۰ء اپولی نے ریس نے یہ تعلیم دی کہ مسیح میں نفس ناطقہ کے عوض میں الوہیت تھی۔ لیکن ۳۸۱ء میں کلیسیا نے یہ رائے رد کی۔

(ج) ۴۲۸ء میں نسطوریس نے کہا کہ مسیح میں دو اشخاص ہیں یعنی یہ کہ کنواری کا بیٹا ایک الگ آدمی تھا جو خدا بیٹے سے متعلق ہوگیا۔ اس سبب سے ۴۳۱ء میں وہ خارج کیا گیا۔ اُسکے پیرو ہنوز آرمینا میں ہیں۔

(د) یوتی خیس نے ۴۴۸ء کے قریب نسطوریس کی رائے کے خلاف یہ سکھایا کہ تجسم کے ذریعہ سے مسیح میں ایک مرکب ذات بن گئی۔ خلقیدون کے مجمع میں ۴۵۱ء میں یہ رائے بھی رد کی گئی۔ اس مجمع نے مسیح تعلیم کا ایک ٹھیک صاف بیان قلمبند کیا۔ بطور نمونہ کے اُسکے ایک حصے کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔

"ہم ایک بیٹے یعنی ہمارے خداوند یسوع مسیح کا اقرار کرتے ہیں اور

بلکہ کہتے ہیں کہ وہ الوہیت میں کامل ہے اور انسانیت میں بھی کامل ہے۔
وہ حقیقی خدا ہے اور حقیقی اِنسان ہے جسمیں نفس ناطقہ اور بدن بھی ہے۔
الوہیت کے بارہ میں خدا باپ کے ساتھ ہم ماہیت ۔ انسانیت کے بارہ میں
اِنسان کے ساتھ ہم ماہیت ۔ گناہ کے سوا سب باتوں میں ہماری مانند ۔
زمانوں سے پیشتر باپ سے متولد ۔ لیکن اِس آخری زمانے میں ہماری
نجات کے لئے کنواری مریم سے مجسم ہوا ۔"

(۴۴) ساتویں صدی ۔ مونوتھیلایٹ (یعنی یہ کہ مسیح میں ایک ہی مرضی
تھی) اِن لوگوں کی یہ رائے تھی کہ چونکہ مسیح ایک شخص ہے اس میں ایک
ہی مرضی ہوگی جو دو ذاتوں میں سے اپنا کام کرتی ہے ۔ اسکے برخلاف نوشتوں
کی تعلیم صاف ہے (متی ۲۶ - ۳۹ + یوحنا ۶ - ۳۸) اور بیشک اُسکی پوری
انسانیت بلا واسطہ اُسکی انسانی مرضی پر دلالت کرتی ہے ۔ ۶۳۵ء قسطنطنیہ
کی مجمع میں یہ قرار پایا کہ مسیح میں دو مرضیاں ہیں اگرچہ ہمیشہ متفق ہیں ۔
مخفی نہ رہے کہ مذکورہ بالا مباحثوں کی رائیں وقتاً فوقتاً سرسبز ہوتی ہیں اور اُنکے
جواب وہی ہیں جو اسوقت دیئے گئے ۔

پانچواں باب

مسیح کا کام

(۱) خلقت کے بارہ میں مقدس نوشتوں کی یہ تعلیم ہے کہ خلقت کا خلق
ہونا خاص طور سے [illegible] کے کلام سے متعلق ہے

خلقت سے اسکا ایسا تعلق ہے کہ اسکی ساری ترتیب و زندگی خدا بیٹے پر منحصر ہے۔ اسکے ذریعے سے اسباب موجودات عدم سے وجود میں آتے اور قایم رہتے ہیں۔ اور یہ تعلق مناسب ہے کیونکہ اسکے وسیلے سے خدا باپ جو کبھی بیکار و معطل نہیں رہتا اپنا کام کرتا ہے۔ جو زندگی کا زور اسباب موجودات میں ہے وہ اصل میں خدا بیٹے سے صادر ہوا اور ہوتا ہے۔ خلقت کی علّت غائی بھی خدا بیٹا ہے قلسیون ۱-۱۶ "ساری چیزیں اسکے لئے پیدا ہوئیں"۔

اس سبب سے وہ خلقت کا پہلوٹھا کہلاتا ہے (قلسیون ۱-۱۵ و ۱۶) یعنی ساری خلقت سے پیشتر تھا۔ مکاشفات ۳-۱۴۔ امثال ۸-۲۲ سے ۳۱۔

(۲) انسان کے بارہ میں انسان خلقت کا ایک حصہ ہے۔ پس مسطورہ بالا بیان اس سے منسوب ہو سکتا ہے لیکن چند امور ہیں وہ باقی مخلوقات سے متفرق ہے۔

بعض لوگوں کی یہ رائے ہے کہ کلام اللہ شروع ہی سے بلا لحاظ آدم کے گرنے کے انسان سے ایسا تعلق رکھتا تھا کہ وہ اعلیٰ نمونہ تھا جسکے مطابق انسان بنایا۔ اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتے کہ اگر انسان گرتا بھی نہ تو بھی مسیح مجسم ہوتا کیونکہ اسکے ذریعہ سے لازم تھا کہ یہ نمونہ وجود میں آئے۔ آدم کے گرنے کے سبب سے یہ تجسم خاص طور سے ہوا۔ اور یہ تجسم اپنا مقصد پورا کرتے کرتے اثناء راہ میں کفارہ کے ذریعہ سے گناہ کو جو سدِّ راہ تھا اٹھا دیتا ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ خاص تعلق جو خدا بیٹے اور انسان کا ہے وہ اتنا کفارہ پر موقوف نہیں جتنا اسپر موقوف ہے کہ مسیح کی کامل جانفشانی کے سبب سے انسانی ذات اسکی زندگی اور قوت میں شریک ہوتی ہے۔ ایسی تعلیم سے ایک نتیجہ یہ ہوتا کہ کفارہ اور روحانی پیدایش سے پیشتر ہر ایک انسان مسیح سے جو انسان کا نمونہ ہے خاص لازمی تعلق رکھتا

ہے ۔ یہ کہ اصل میں ہر ایک انسان مسیح کا ایک عضو تھا ۔ اور نیز یہ کہ کسی آدمی کی روحانی پیدائش محض یہ ہے کہ وہ دریافت کرتا ہے کہ انسان کا وہ اعلیٰ نمونہ یعنی مسیح مجھ میں پوشیدہ رہتا تھا اور اب میں جانگیا کہ مسیح کے ذریعہ سے مخلوقات میں کیا رتبہ ہے ۔ لیکن اس خوشنما تعلیم کی تائید حقیقت میں مقدس نوشتوں میں پائی نہیں جاتی ۔ اگرچہ بعض لوگ گلتیون ۱-۱۶ کو اسکی تائید میں پیش کرتے ہیں ۔ مقدس نوشتوں میں لکھا ہے کہ انسان خدا کی صورت میں بنایا گیا نہ کہ خاص مسیح کی صورت میں پیدائش ۱-۲۶ و ۲۷ + یعقوب ۳-۹ -

یہ بھی لکھا ہے کہ ہر ایک فرد بشر کو لازم ہے کہ از سر نو پیدا ہو اور نیا مخلوق ہوجائے ۔ یہ نئی پیدائش اِن باتوں پر مبنی ہے یعنی ماقبل روحانی موت (افیون ۲-۱ و ۱۲) اور مسیح میں زمانوں سے پیشتر منتخب ہونا ۔ مسیح کی موت کے ذریعے سے مخلصی مسیح میں پیوند ہونا اور اُسکا ہمشکل ہونا (افیون ۱-۴ و ۷ و ۱۳) -

اِس تعلیم میں یہ نقص بھی ہے کہ جو رتبہ انسان کو وہ دینا چاہتی ہے وہ مقدس نوشتوں کے مطابق نہیں ہے کیونکہ اُنہیں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان خدا کی صورت پر تو بنایا گیا اور اسکے ساتھ عجب تعلق رکھنے کے قابل تو ہے لیکن یہ نہ ازلی ہے نہ لازمی بلکہ خدا ہی کی مہربانی اور محبت سے ہے ۔ یقیناً انسانیت (مقدس نوشتوں کے مطابق) الوہیت کی نہ صورت نہ اُسکی سیرت ہے ۔

[illegible]

م درجات ہیں ۔
بادی النظر میں بعض آیات اس تعلیم کی کچھ تائید کرتی معلوم ہوتی ہیں یعنی یہ
کہ مسیح میں انسانیت کا ازلی اعلیٰ نمونہ تھا مثلاً یوحنا ۱ - ۹ ۔
اس آیت میں ازلی اعلیٰ نمونہ کی طرف اشارہ نہیں ہے ۱ قرنتھی ۱۵ - ۲۲ ۔ (اس میں
کل بنی آدم کے جی اُٹھنے کا ذکر نہیں بلکہ انکا جو مسیح کے ہیں (۲۳ آیت)۔
جہاں عمداً دو باتوں کو الگ کرتا ہے ۔ ۱ قرنتھی ۱۵ - ۴۷ ۔ لیکن یہاں قرینے سے
ظاہر ہے کہ وہاں مسیح کی دوسری آمد کا نہ کہ اسکے تجسم کا ذکر ہے اسکا یہ مطلب
ہرگز نہیں کہ وہ مجسم ہونے سے پیشتر آدم ثانی تھا ۔
مخفی نہ رہے کہ البتہ ہم یہ تو مانتے ہیں کہ خدا کا بیٹا مجسم اور کفارہ دونوں کے لحاظ
سے نہ صرف بعض اشخاص یا بعض اقوام سے بلکہ جنس انسان سے خاص تعلق
رکھتا ہے کیونکہ یہ صاف لکھا ہے یعنی ہرایک انسان کا حق ہے کہ وہ یوں کہے
کہ "میری وہی ذات ہے مسیح میں خدا سے متعلق ہوگئی ہے میں اُس جہان
کا ایک عضو ہوں جسکے واسطے مسیح کفارہ ہوا ۔ ۱ یوحنا ۲ - ۲ ۔ میں اُس نوع
انسان کا ہوں جسے اُسنے خرید لیا ۔
فی الواقعہ نوع انسان کی ذات واحد کے سبب سے خدا بیٹے کے تجسم کے ذریعہ
سے ہرایک زمانہ کا ہرایک انسان مسیح سے ایک ذاتی تعلق رکھتا ہے اور یہ نئی
پیدائش اور مسیح میں پیوند ہونے سے پیشتر بھی ہے لیکن اس سب کے باوجود اگر
انسان کی موجودہ حالت کا لحاظ کیا جائے تو مسیح کا خاص کام ذیل کا مسئلہ ہے یعنی
(۳) **مسیح کی موت کا کفارہ** ۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ بعضوں کے
نزدیک مسیح کا تجسم مسیحی دین کا مرکز ہے ۔ مگر ہمارے نزدیک مقدس نوشتوں
کی تعلیم اس سے متفرق ہے ۔ یعنی یہ کہ ہم گنہگار آدمیوں کے لئے **صلیب**

مرکز ہے - چاروں اناجیل میں اُسکا کوئی مفصل بیان نہیں - (لیکن دیکھو
متی ۲۰ - ۲۹ ؛ یوحنا ۶ - ۵۱ ؛ متی ۲۶ - ۲۸ ؛ مرقس ۱۴ - ۲۴ - لوقا ۲۲
۲۰) اور مخفی نہ رہے کہ انجیل کا مقصد یہ نہیں کہ تعلیم کا مفصل بیان کرے
بلکہ ماجروں کا - اور ماجروں کے بیان میں سب سے بڑا بیان مسیح کی موت
اور جی اُٹھنے کا ہے - اعمال کی کتاب میں رسولوں کی مُنادی میں بڑا زور
مسیح کی موت پر ہے - خطوط اور مکاشفہ کی کتاب میں اُسکی تشریح زیادہ مفصل
ہوتی جاتی ہے حتی کہ ذبح شدہ برہ ساری خلقت کا معبود معلوم ہوتا ہے (اعمال
۲ - ۲۳ ؛ ۴ - ۱۰ ؛ ۱۳ - ۲۸ سے ۲۹ ؛ ۲۰ - ۲۸ ؛ رومیوں ۳ - ۲۳ -
سے ۲۵ تک ؛ ۵ - ۶ سے ۹ ؛ ۱ قرنتی ۱۵ - ۳ سے ۱۱ ؛ ۲ قرنتی ۵ - ۱۴ -
و ۲۱ ؛ گلتیون ۱ - ۴ ؛ ۳ - ۱۳ ؛ ۶ - ۱۴ ؛ افسیون ۱ - ۷ ؛ ۲ - ۱۳ ؛ ۵
۲ ؛ فلپیون ۲ - ۸ ؛ قلسیون ۱ - ۱۴ و ۲۰ ؛ ۱ تسلونیقی ۵ - ۱۰ ؛ ۲ تمطا ۱۱ و
۱۲ ؛ طیطس ۲ - ۱۴ ؛ عبرانی ۲ - ۹ و ۱۴ ؛ ۷ - ۲۷ ؛ ۹ - ۱۱ سے ۲۸ ؛ ۱۰
۱۰ سے ۱۲ ؛ ۱ پطرس ۱ - ۲ ؛ ۱ یوحنا ۱ - ۷ ؛ ۲ - ۲ ؛ مکاشفات ۱ - ۵ -
وغیرہ)

عہد عتیق کا لحاظ بھی کرنا چاہئے - کیونکہ اگر عہد عتیق کو ہم اُسی نظر سے
دیکھتے ہیں جس نظر سے مسیح دیکھتا تھا یعنی یہ کہ اُسمیں مسیح کا بنیانہ بیان
ہے تو معلوم ہوجائیگا کہ جسقدر وہیں تفصیل سے مسیح کے کفارہ کے نمونے
اُسمیں ہیں اُسقدر اُسکے تجسم کے نہیں - مقابلہ کرو احبار کی کتاب خصوصاً ۱۶-
باب کا عبرانی ۹ باب کے ساتھ -
فسح (خروج ۱۲ باب کا ۱ قرنتی ۵ باب کے) یسعیاہ ۵۳ کی تقریباً ہر ایک آیت

مسیح کہتا ہے کہ پیشین گوئیوں کا خاص مطلب یہ تھا کہ مجھے دکھ سہنا اور جی اٹھنا ضرور ہے۔ جب پولوس انجیل کے خلاصہ کا بیان کرتا ہے (۱ کرنتھی ۱۵-۳) تو وہ یوں کہتا ہے کہ پہلے پہل مسیح ہمارے گناہوں کے واسطے مقدس نوشتوں کے مطابق مر گیا۔ اگر ایک طرف سے اسپر نظر کریں تو اسکے اہم ہونے کا سبب معلوم ہوگا۔ یعنی آدمی کا گرنا اور مجرم ٹھہرنا جسکا آگے بیان ہوگا۔ یہاں اتنا کہنا کافی ہوگا کہ اگر کوئی چاہے کہ کفارہ کی تعلیم کو ٹھیک طور پر سمجھے تو اُسے ضرور ہے کہ وہ اپنی گناہگار حالت سے واقف ہو۔

مقدس نوشتوں کے بیان کے مطابق گناہ نہ صرف آفت مرض یا آدمی کی طبیعت کا بگاڑ ہے بلکہ قصور واری ہے۔ کیونکہ وہ خدا کی شریعت کی خلاف ورزی ہے۔ اگر کوئی کفارہ کی حقیقت کو معلوم کیا چاہے تو اس بات کو یاد رکھے۔

چونکہ انسان کی ایسی حالت ہے تو پہلے پہل باوجود گناہ کے خدا کی درگاہ میں اُسکے لئے مقبولیت درکار ہے۔ شریعت کا یہ دعوے ہے کہ ایک پاک کفارہ چاہیئے جو آدمی کی بھلائی کے لئے ہو۔ ترقی اور اعلیٰ نمونہ کو حاصل کرنے سے پیشتر آدمی کے لئے یہ اہم ضرورت ہے کہ اُسکے گناہوں کا کفارہ ہو۔

ان دنوں میں اس بات کا اندیشہ ہے کہ مبادا ہم اس تعلیم کو نظر انداز کریں اس زمانہ میں عالم لوگ شریعت قصور واری بدلہ کے پورے مطلب کا اکثر اوقات ٹھیک لحاظ نہیں کرتے۔ اس غلطی کا سبب شاید یہ ہے کہ ایسے لوگ کبھی خدا کی مہربانی پر زیادہ زور دیتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ اکثر سبب یہ ہیں۔ نیکی اور بدی کے اصلی فرق پر شک ڈالنا۔ مقدس کتاب کی کم قدری کرنا یا یہ کہ لوگوں کا سب فوق العادت باتوں کے بارہ میں

شبہ رکھنا یا لاپرواہ ہونا تاہم ہم یہ کہتے ہیں کہ جبتک گناہ کی قصورواری پورے طور سے دریافت نہ کی جائے تب تک صلیب کی تعلیم موثر نہ ہوگی اور یہ کہ سادہ دلوں کی حاجات اسی تعلیم سے رفع ہوتی ہیں تو ذرا دیکھیں کہ کتاب مقدس کے مطابق خدا کے بیٹے کی موت کا مقصد اور معنے کیا ہیں -

صحیح تعلیم میں یہ باتیں پائی جاتی ہیں -

اوّل جس شخص کی موت کا ذکر ہے وہ مجسم شدہ خدا کا بیٹا ہے - اُسکے دکھ درد ازل سے مقرر ہیں (متی ۲۶ - ۲۴ ؛ اعمال ۴ - ۲۸) - وہ جوہری ہیں نہ عارضی (لوقا ۲۴ - ۲۶ ؛ ۴۴ سے ۴۶) - (اعمال ۳ - ۱۸ ؛ ۲۶ - ۲۳ ؛ ۱ قرنتی ۱۵ - ۳) گناہگار آدمی کی معافی اُنپر منحصر ہے - (۱ قرنتی ۱۵ - ۱۴ سے ۱۸) خدا تعالیٰ کی محبت کا اعلیٰ ثبوت ہے - کتاب مقدس کے مطابق خدا باپ نے اپنے بیٹے کو ہم سبھوں کے واسطے دیدیا (رومی ۸ - ۳۲) اُسی نے ایک طرح سے اُسے دکھ پہنچایا (مزمور ۲۲ - ۱ ؛ یسعیاہ ۵۳ - ۶ ؛ اعمال ۲ - ۲۳ ؛ ۲ قرنتی ۵ - ۲۱) -

بیٹے کے لئے یہ دکھ بیان سے باہر اور لاثانی تھے - ہاں وہ یہانتک اُسے سخت معلوم ہوئے کہ اگر اُسکا مقصد کسی اور طرح سے پورا ہوسکتا تو اُس ہولناک دکھ کے پیالہ سے کنارہ کرتا تو بھی اُس سے کنارہ کرنے کا حق ہمیشہ اُسے حاصل تھا - اُسکے دکھ اِس ہی سبب سے نہ تھے کہ اُنے گنہگار آدمیوں کے بُرے ارادہ کا مقابلہ کیا تھا (متی ۲۶ - ۵۳ ؛ یوحنا ۱۰ - ۱۸) -

دوم - اِن دکھوں سے نہ صرف قصور کی معافی ہوسکتی ہے بلکہ ایسی معافی

معافی مسیح کے سبب ہے نہ کہ گنہگاروں کی اصلی [illegible] ہے ۔ جب ہے یہ ... اصلاح تو ان دکھوں کا کسی نہ کسی طرح سے نتیجہ ہے ۔ سبب اور ثواب ہمیشہ مسیح میں ہے ۔

دکھ کے نتائج ان الفاظ میں ظاہر کئے جاتے ہیں **فدیہ** (متی ۲۰-۲۸) داموں سے **خریدے ہوئے** (۱ کرنتھی ۶: ۲۰) **ڈھانپے گئے** (رومیوں ۳-۲۵) **ضمانت** (عبرانی ۷-۲۲) **بوجھ اٹھانا** (عبرانی ۹-۲۸، یسعیاہ ۵۳-۱۲) **مقبولیت** گویا کفارہ کی مقبولیت (۱ یوحنا ۲-۲، ۴-۱۰) **شریعت کی لعنت سے بچ جانا** (گلتیوں ۳-۱۳) ۔ بعض لوگوں کی رائے ہے کہ وقت یہ تھی کہ کسطرح سے آدمی کا سرکش ارادہ تابعدار ہو جائے اور یہ کہ خدا ہمیشہ محض مہربان تھا اور یہ چاہتا تھا کہ گمراہ شخص مفت یوں ہی آئے ۔ اس رائے کے مطابق کفارہ سے وہ سب کچھ مراد ہے جو مسیح نے خدا کی نسبت اس غلط فہمی کو دور کرنیکے لئے سکھایا اور کیا اسکے مطابق کفارہ کے لئے مسیح کی **موت** میں کوئی خاص خصوصیت نہیں ہے ۔ کیونکہ جو کچھ اُسنے کیا یا سہا اُس سے خدا کی سیرت کی خوبی ظاہر ہوئی ۔ اس تعلیم کے مطابق آدمیوں اور خدا کا ملاپ مسیح کی موت سے نہیں بلکہ اسکی تمام زندگی کی الہی خوبی سے ہوا ۔

لیکن اگر مقدس نوشتوں کے ہر ایک مقام پر بخوبی لحاظ کیا جائے تو اس رائے کی تردید ہوگی کیونکہ خداوند کی موت کا درجہ لاثانی ہے ۔ اگر لفظوں کے روزمرہ استعمال کا نہ کہ انکے ماخذوں کا لحاظ کیا جائے تو معلوم ہوجائیگا کہ کفارہ اور ملاپ " اس تعلیم سے لگا نہیں کھاتے ۔ عہد عتیق میں جو عبرانی لفظ کفارہ کے لئے ہے اسکے لغوی معنے "ڈھانپنا" ہے ۔ معنے

عہدنامہ میں جو یونانی لفظ اسکے واسطے مستعمل ہوا ہے وہ روٹھے بادشاہ سے معافی حاصل کرنیکی طرف اشارہ کرتا ہے تاکہ باغی شخص کو اسکی مہربانی کے قابل کرنیکی طرف رومیوں ۵: ۱۰، ۲ قرنتھی ۵: ۲۰۔

ہمارے نزدیک اگر ایسی عبارتوں کا مطلب ادا کیا جائے تو ظاہر ہوگا کہ اس مبارک موت کا عین مقصد کفارہ بخش تھا نہ یہ کہ آدمی پر روحانی تاثیر کرے یا آدمی میں نئی روحانی طاقت پیدا کرے وہ لازمی شرط تھی جسکے ذریعہ سے آدم ثانی ہونکر انسانوں کے لئے ایسی لیاقت حاصل کرے یعنی خود خدا جو کامل قدوس ہے گناہ کے بدلے میں قبول کرے۔ اگر گناہ کے کفارہ کو کماحقہٗ معلوم کرتے تو کفارہ کے بھید کو کسیقدر حل کرسکتے اور بلا عذر اُسے قبول کرتے۔

کسی نے اچھی طرح سے یہ کہا ہے کہ خدا کے سامنے خلقت چھوٹی سی چیز ہے مگر گناہ چھوٹی چیز نہیں۔ اگر یہ کہنا کفر نہ ہوتا تو شاید ہم یہ کہتے کہ ایک ہی شے خدا کی نظر میں مشکل ہے یعنی گناہ۔ گناہ کو معاف کرنا اُس کے سامنے ہرگز خفیف بات نہیں ہے۔ اپنی شریعت اور اپنی سیرت کے مطابق گناہ کا بندوبست کرنیکے لئے یہ لازم ہے کہ خود خدا ایک دوسرا اہم انتظام تجویز کرے۔ یہ انتظام مقدس نوشتوں کے مطابق اُسکے بیٹے کی کفارہ بخش موت ہے۔ اس الٰہی شخص نے انسانیت کو پہنکر اور خوشی سے دکھ اٹھاکر انسانی درد کے ساتھ اس موت کو ویسا پُر زور کیا۔

پس مسیح کی موت کا نتیجہ پہنچت انسان کے خدا کی طرف زیادہ ہے اِس موت میں یا اس شخص میں جسنے خوشی سے اپنے آپکو گذرانا ہمیشہ ایسی خوبی ہے کہ جسکے ذریعہ سے گنہگار آدمی اگر مسیح سے متعلق ہو خدا کے آگے مقبول ٹھہرتا ہے۔ اُسنے اپنے تئیں شریعت کے ایسے تابع کردیا کہ اُسکے مجرموں کی

علاوہ ازیں صلیب خدا کی محبت کا اعلیٰ ثبوت ہے - اگر یہ مانا جائے کہ صلیب خدا کے سامنے کفارہ ہے تو اُس سے انسان پر بھی تاثیر ہوگی البتہ خدا کی محبت بیشک مطلق ہے لیکن خدا ہی کی سیرت یعنی اُسکی پاکیزگی اور اُسکا گناہ سے نفرت رکھنا اُسپر حد لگاتی ہے - یہ ہو نہیں سکتا کہ اُسکی محبت اُسکی پاکیزگی کے بغیر ظاہر ہو - سادہ دلوں کے لئے اس سے زیادہ تاثیر بخش کیا ہوگا کہ مہربان باپ اپنے اکلوتے بیٹے کو آدمی کے عوض کفارہ کے لئے دے -

پس مخفی نہ رہے کہ اگر مسیح کی موت کو کفارہ بخش مانیں تو مذکورہ بالا تعلیم بھی (یعنی یہ کہ خدا کی مہربانی آدمی کو کھینچتی ہے) اُس میں داخل ہے - ہم اَور تعلیمات کے بارہ میں بھی یہی کہہ سکتے ہیں - مثلاً کفارہ کی صحیح تعلیم کے ساتھ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ مسیح کی پاکیزگی آدمیوں کی توبہ کے سبب سے اُسکی موت کا باعث ہوئی یا یہ کہ اُسکی موت شہادت تھی اور نیز نمونہ اور یہ کہ اُسنے اچھی طرح سے سمجھا کہ انسان کا گناہ کیسی مکروہ چیز ہے بشرطیکہ ہم اُسکی اس خاصیت پر زور دیں کہ وہ مجرموں کی خاطر حقیقی کارگر کفارہ تھا -

کفارہ کے بارہ میں چند اَور باتیں

(۱) ۱ یوحنا ۲ - ۲ :: خود مسیح مرکز کفارہ ہے -

(۲) "خریدنا" کتاب مقدس کا روا محاورہ ہے مکاشفہ ۵ - ۹ :: ۱ قرنتی ۶ - ۲۰ -

لیکن یہ کہنا بہتر ہے کہ ہم خریدے گئے بہ نسبت اسکے کہ معافی خریدی گئی

(۳) کس کو یہ دام دیا گیا - البتہ الٰہی شریعت کو گلتیون ۳ - ۱۳ -

(۴) کیا مسیح نے اتنا ہی دکھ اٹھایا جتنا آدمی کو اٹھانا تھا۔ مقدس نوشتوں میں اِسبات کا ذکر نہیں آتا ہے۔ اتنا لکھا ہے کہ لیاقت مطلق آدمی کے کفیل میں موجود ہے۔ کفارہ کی مقدار کا سوال نہیں لیکن اسکی خوبی کا۔

(۵) کیا ہمارے خداوند کے دکھ اُسی قسم کے تھے جیسے گناہگار آدمی منسوب تھے؟ ایک طرح سے ہرگز نہیں۔ کیونکہ مسیح میں اس ذاتی بدحالی یا افسوس کی ہرگز گنجایش نہ تھی جو ہلاکت کے فرزندوں کا حصہ ہوگا۔ لیکن وہ قول لما سبقتانی یعنی تونے مجھے کیوں چھوڑ دیا اور گتسمنی کے باغ میں جو غم و الم ہو، رجسکا بیان کرنا اگر مسیح کفارہ نہ تھا ناممکن ہوتا۔ یہ دونوں اس رائے کی تائید کرتے ہیں کہ خود مسیح نے اور خود **باپ** نے تجویز نکالی کہ مسیح کسطرح سے خدا سے ایسی علیحدگی کی برداشت کرے، جو حشر کے دن آخری سزا کا ایک حصہ ہوگا۔ ہمیں چاہیئے کہ ادب کے ساتھ ایسی باتوں میں خوض کرنے سے کنارہ کریں۔

(۶) کیا مسیح کی کُل زندگی کفارہ کا ایک حصہ تھی جسطرح سے کہ اُسکی موت؟ ایک طرح سے نہیں۔ کیونکہ مقدس نوشتوں میں ہمیشہ موت ہی پر زور دیا جاتا ہے کہ وہی کفارہ ہے لیکن موت کی خوبی زندگی کی خوبی پر منحصر ہے۔

اگر ناقص زندگی بسر کرکے صلیب پر چڑھتا تو کامل کفارہ نہ ہوتا

(۷) نئے عہد نامہ کے بعض محاورات۔ کبھی لکھا ہے کہ خداوند گناہگاروں کیواسطے موا اور کبھی یہ کہ گناہوں کیواسطے دونوں کا مطلب ایک ہی ہے یعنی یہ کہ وہ ہمارے واسطے ہماری قصور واری کے باعث موا۔

جن یونانی حروف چار کا ترجمہ **واسطے** یا لئے ہوا ہے وہ یہ ہیں "ہوپر"

[illegible]

"بدلے" بارہ میں۔ رومیوں ۸ : ۳ ۔ گلتیوں ۱ : ۴ ۔ ۱ پطرس ۳ : ۱۸ ۔

"واسطہ" کے سبب سے۔ رومیوں ۴ : ۲۵ ۔

ان سب محاورات کا مطلب یکساں ہے۔ خداوند ہمارے گناہ کے سبب سے موا۔ ہمارے اور ہمارے گناہوں کے بارہ میں موا۔ ہمارے عوض میں یعنی وکیل کے طور پر ایسا کہ ہم غرضاً سزا سے بچ جائیں۔ ہماری خاطر موا۔ اس سے پتا لگتا ہے کہ اُسنے اپنے آپ کو خوشی سے ہمارے بدلے دیدیا۔

(۸) "مسیح کے خون کے بارہ میں۔ بعض مفسر مسیح کے خون اور اُس کی موت میں امتیاز کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ چونکہ مقدس نوشتوں میں لکھا ہے کہ خون زندگی ہے تو مسیح کے خون کا تعلق جسقدر نئی پیدایش اور روحانی طاقت سے ہے اُسقدر کفارہ سے تعلق نہیں۔ اس رائے کی تائید میں وہ یہ آیات پیش کرتے ہیں احبار ۱۷ : ۱۱ ۔ یوحنا ۶ : ۵۳ ۔ ۱ یوحنا ۱ : ۷ لیکن ہمارے نزدیک مقدس نوشتوں کی عام تعلیم اسکے خلاف ہے۔ کیونکہ جہاں خون کا ذکر آتا ہے وہاں عموماً موت مراد ہے نہ زندگی۔ گرایا ہوا خون طاقت کا وسیلہ نہیں بلکہ موت کا ثبوت ہے مثلاً دیکھو پیدایش ۹ : ۴ و ۵ ۔ استثنا ۲۱ : ۸ ۔ ۲ سموئیل ۱ : ۱۶ ۔ مزمور ۷۲ : ۱۴ ۔ حزقی ایل ۲ : ۳ ۔ متی ۲۷ : ۴ ۔ اعمال ۵ : ۲۸ ۔ "بیلہ کا خون" مکاشفہ ۱۴ : ۸ ۔ ذکریاہ ۹ : ۱۱ ۔

ذیل کی آیات میں مسیح کے کفارہ کے بارہ میں انکا خون آتا ہے۔

متی ۲۶ : ۲۸ ۔ مرقس ۱۴ : ۲۴ ۔ لوقا ۲۲ : ۲۰ ۔ ۱ کرنتھی ۱۱ : ۲۵ ۔ یوحنا ۶ : ۵۳ سے ۵۶ ۔ اعمال ۲۰ : ۲۸ ۔ رومیوں ۳ : ۲۵ ۔ ۵ : ۹ ۔

ا قرنتی ۱۰ - ۱۶ ، ۱۱ - ۲۷ ، افسیون ۱ - ۷ ، ۲ - ۱۳ ، قلسیون ۱ - ۲۰
عبرانی ۹ - ۱۲ و ۱۴ ، ۱۰ - ۱۹ و ۲۹ ، ۱۲ - ۲۴ ، ۱۳ - ۲۰ ، ۱ پطرس
۱ - ۲ و ۱۹ ، ۱ یوحنا ۵ - ۶ و ۸ ، مکاشفات ۱ - ۵ ، ۵ - ۹ ، ۷ - ۱۴ ، ۱۲
۱۱ ، اگر ان آیات کا لحاظ کیا جائے تو بحیثیت مجموعی بیشک اُنسے یہ تعلیم نکلتی
ہے کہ خون سے موت اور عہد کا ثبوت اور مسیح کا کفارہ وغیرہ مراد ہے ،
ا یوحنا ۱ - ۷ کے ساتھ مقابلہ کرو احبار ۱۶ - ۳۰ -

(۵) کیا مسیح کے دکھ تعزیری تھے ؟ بعض لوگ اسکا انکار کرتے ہیں - لیکن
ایسے لوگ لفظ تعزیری کو محدود کرتے ہیں اگر تعزیری سے صرف وہ دکھ مراد
ہوسکتے ہیں جو مرتکب کو ملتے ہیں تو بیشک اُسنے ایسا دکھ نہیں اُٹھایا -
لیکن اس میں کسی کو کلام نہیں کہ ہم اُس دکھ کو تعزیری کہہ سکتے ہیں
جو شرعاً کسی کو ملتا ہے - اگر مسیح نے خوشی سے اپنے تئیں ہمارے بدلے
گناہوں کی سزا کے معوض میں رکھا تو "شریعت کی لعنت اُسپر دعویٰ
رکھتی ہے - چونکہ اُسکے دکھ شرع کے سبب سے تھے اِسلئے اُنکو تعزیری کہہ
سکتے ہیں ، مقابلہ کرو یسعیاہ ۵۳ باب -

کفارہ کی تعلیم کا سُراغ

پہلی چار صدیوں میں جو مباحثے ہوئے وہ خصوصاً مسیح کی شخصیت
کے بارہ میں تھے تاہم مصنف جو بیان کفارہ کا کرتے ہیں وہ صاف ہے
مثلاً کلیمنس رومی یہ کہتا ہے کہ "مسیح کے خون کو تاکتے رہیں اور دیکھیں
کہ اُسکے خدا اور باپ کو کیسا منظور ہے - کیونکہ اُس خون سے جو ہمارے
لئے [illegible] کہ توبہ کا موقع ملتا ہے" اور پھر یہ کہ "ہمارے

اپنا جسم ہمارے جسم کے لئے اپنی جان ہماری جانوں کے لئے"۔

ڈیوگنیٹس کے خط میں لکھا ہے کہ جب ہماری ناراستی حد تک پہنچ گئی تو خدا نے اپنا بیٹا ہمارے فدیہ کے لئے دے دیا راستی کو ناراستوں کے واسطے"۔ آئرینیوس "خداوند نے اپنے خون سے ہمیں خرید لیا اور اپنی جان ہماری جان کے لئے اور اپنا جسم ہمارے جسم کے لئے دیا"۔ جسٹن شہید نے یہ کہا کہ رب العالمین نے یہ قرار دیا کہ اُنکے مسیح پر سبھوں کی لعنت لادی جائے اوریگین۔ اتھاناسیس۔ آگستین وغیرہ بھی ایسا ہی کہتے ہیں۔

ایک عجب بات کا ذکر کرنا چاہئے جسکا ان صدیوں کے بزرگوں نے چرچا کیا یعنی یہ کہ ایک طرح سے مسیح کی موت زرِ خلاصی کے طور پر گنہگاروں کی رہائی کے لئے شیطان کو دی گئی۔ اور جب تک کہ یہ موت وقوع میں نہ آئی شیطان کو اس موت کا مقصد معلوم نہ ہوا۔ پہلے پہل اگناطیوس کی تصنیفات میں اسکا ذکر آتا ہے۔ لیکن یہ رائے ان بزرگوں کی تعلیم کا خاص جزو نہیں۔ برعکس اسکے یہ بزرگ اسپر زور دیتے ہیں کہ اس ماجرے میں شیطان کا کام بالکل ناراست تھا اور یہ کہ مسیح اُسپر فتحیاب ہوا۔ تاہم اس سے پتا لگتا ہے کہ ان بزرگوں کی یہ رائے تھی کہ مسیح کے کفارہ میں زرِ خلاصی کو ہے۔

گیارھویں سے سولھویں صدی تک۔ گیارھویں صدی کے اخیر پر انسلم نے ایک کتاب تصنیف کی جسمیں اُسنے کفارہ کا بیان کیا۔ اسمیں خاص بات یہ ہے کہ مسیح نے شریعت کے تقاضا کو پورا کیا۔ کئی

اور مصنفوں کا بھی یہی حال ہے ۔

اصلاح کا زمانہ ۔ اصلاح کرنیوالوں نے کفارہ کے نتیجہ یعنی راستباز ٹھہرنے پر خاص زور دیا ۔ اسکا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے ۔ اُس زمانہ سے آجتک کثیر رائیں دو قسموں پر منقسم ہیں ۔

(۱) اس بات پر زور دیتی ہے کہ خدا کی پاکیزگی اور شریعت کے سبب سے حقیقی کفارہ بالکل ضروری ہے ۔

(۲) کفارہ کی ایسی تشریح کرتی ہے کہ کفارہ کی ضرورت کو معدوم کرتی ہے یا کم کرتی اور اسپر زور دیتی ہے کہ مسیح کے ذریعہ سے خدا کی محبت آدمیوں کو کھینچتی ہے اور انکو روحانی طاقت بخشتی ہے ۔

الغرض جس تعلیم کو کوئی قبول کرے وہ اُسے مقدس نوشتوں سے پرکھے مسیح کی موت کے ساتھ یہ بات بھی متعلق ہے ۔

عالم برزخ یا عالم ارواح میں اُترنا

صرف دو ہی مقامات میں مسیح کے عالم ارواح میں جانیکا صاف صاف ذکر ہے یعنی مزمور ۱۶ : ۱۰ ۔ اعمال ۲ : ۲۶ و ۲۷ ۔ ذیل کی آیات میں بھی شاید اُسکی طرف اشارہ ہے لوقا ۲۳ - ۴۳ ۔ افسیون ۴ - ۹ ۔ ۱ پطرس ۳ - ۱۰ تا ۲۰ - ۴ - ۶ ۔

عالم ارواح سے وہ حالت مراد ہے جس میں روح بدن سے علیحدہ ہو کر رہتی ہے ۔ اِس حالت میں ایک طرف خوشی ہے اور دوسری طرف غم ہے ۔ لیکن مخفی نہ رہے کہ یہ خوشی کامل خوشی نہیں کیونکہ جبتک آدمی کا ... [illegible] ... جائے گا ۔ خوشی نہیں ہو سکتی ۔

[illegible]
یہ بھی کہی [illegible] ہے کہ عالم ارواح [illegible] جو آدمیوں کی روحوں میں لگی ہی
حالت نہیں ہے جسے دوزخ کہتے ہیں۔ کیونکہ دوزخ قیامت کے بعد ہوگا۔
متی ۵۔ ۲۲ و ۲۹ و ۳۰ و ۱۰۔ ۲۸ و ۱۸۔ ۹ و ۲۳۔ ۱۵ و ۳۳ و مرقس
۹۔ ۴۷ و لوقا ۱۲۔ ۵ و یعقوب ۳۔ ۶۔

انگریزی کلیسیا کا تیسرا مسئلہ دین یہ ہے کہ "جس طرح مسیح ہمارے واسطے موا اور دفن کیا گیا اصطلاح اصول زبان میں سے یہ بھی ہے کہ وہ عالم برزخ میں اتر گیا۔ ہم صرف یہی کہہ سکتے ہیں اس سے زیادہ مخالفت نہیں نہ اُس عالم کی جگہ پر۔ اور نہ لفظ "اترنے" پر زور دینا چاہیے کیونکہ یہ دونوں روحوں سے منسوب نہیں ہو سکتے۔ لفظ اُترنا یہاں شاید اسلئے مستعمل ہے کہ بدن زمین میں اتارا جاتا ہے عہد جدید میں صاف لکھا ہے کہ ایماندار انتقال کرنے کے بعد مسیح کے پاس چلا جاتا ہے ۲ قرنتی ۵۔ ۸ و فلپیوں ۱۔ ۲۳ اور مکاشفہ ۶۔ ۹ و ۱۹۔ ۱ میں اس بات کا ذکر ہے کہ ہزار ہا ہزار لوگ خدا کے تخت کے آگے ستائش کر رہے ہیں اور یہ قیامت سے پیشتر کا ذکر ہے۔ ان سے ظاہر ہے کہ یہ کہنا درست نہیں کہ روحیں زمین کے نیچے رہتی ہیں۔ نہ فی الواقع کوئی جگہ ان کے لئے مخصوص کر سکتے ہیں۔

ہاں مسیح کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ ہماری خاطر ایسی حالت میں بھی شامل ہوا۔ [illegible] کہا گیا اصطلاح یعنی انسانی روح عالم برزخ میں گئی

۱ پطرس ۳۔ ۱۸ سے ۲۰ تک بعض کہتے ہیں کہ اس مقام میں اس تعلیم کا صاف ذکر ہے لیکن [illegible] انگریزی [illegible] صاحب اس رائے کی

طرف مائل ہیں کہ یہاں اُس کام کی طرف اشارہ ہے جو طوفان سے پیشتر مسیح کی روح نے نوح کی معرفت کیا تھا ۔ اور اکثروں کی یہ رائے ہے کہ مسیح نے روحوں کو نجات کی خبر دی خواہ وہ طوفان سے پیشتر کی ہوں خواہ مابعد کی ۔ اور وہ اِس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ شاید مرنے کے بعد انجیل سننے اور توبہ کرنے کا موقع ملیگا ۔

اِس قسم کی باتیں بڑے اسرار ہیں ۔ خدا ہی جانے کہ جنہوں نے انجیل نہیں سُنی اُنکی کِسطرح سے عدالت ہوگی ۔ لیکن جو ایسی باتوں کی تحقیقات کا شوق رکھتے ہیں ہم اُنہیں یہ صلاح دیتے ہیں کہ ۱ پطرس ۳ - ۱۸ سے ۲۰ ایک عجب بینظیر عبارت ہے ۔ اگرچہ بعض سمجھتے ہیں کہ ۱ پطرس ۴ - ۶ میں اُسی بات کا ذِکر ہے ۔ لیکن قرینہ کا لحاظ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُسمیں امید دلانے کا نہیں بلکہ نصیحت اور آگاہی کا ذکر ہے ۔ اِس آیت میں صاف صاف طوفان سے پیشتر کے لوگوں کا بیان ہے اور لوگوں کا ذکر نہیں

یہ نہیں لکھا ہے کہ مسیح نے کِس بات کی منادی کی اور نہ یہ کہ اُسکے سامعین نے مرنے سے پیشتر توبہ نہ کی تھی ۔

مقدس نوشتوں کی نصیحتیں عموماً ایسی تعلیم کے برخلاف ہیں اور اِسپر زور دیتے ہیں کہ بدنی کاموں یعنی ہماری پوری طبعی حالت کے مطابق عدالت ہوگی ۔ ۲ قرنتی ۵ - ۱۰ ۔

عالم برزخ میں اُترنے کی تعلیم کا سُراغ

[illegible] تھا ۔

روح کے اُترنے کا ذکر ہے۔ اُنکا یہ خیال تھا کہ مسیح اِسلئے عالم ارواح میں اُترا کہ اپنی انجیل و نجات کی خبر اُن لوگوں کو سُنائے جو اُسکی آمد سے پیشتر اُسکے منتظر تھے۔

پہلی صدیوں کی چند غیر مستند کتابوں میں اِس تعلیم میں کچھ مبالغہ کیا گیا ہے۔ مثلاً یہ کہ "مسیح تحت الثریٰ میں اُترا تاکہ آدم کو اور عہد عتیق کے سارے مقدسوں کو آزاد کرکے فردوس کے جلال میں پہنچائے" اُن زمانوں کے سارے بزرگ مسیح کے اُترنے کو مانتے تھے لیکن مقصد اور طریقہ نزول کے بارہ میں اُنکی مختلف رائیں تھیں۔ مثلاً بعضوں نے یہ کہا کہ ہلاک شدہ روحیں آزاد ہو گئیں بعض نے یہ کہ اُن میں سے بعض۔ کسی نے یہ کہ عہد عتیق کے مقدسوں کی روحیں فردوس تک پہنچائی گئیں۔ یا یہ کہ بلا انتقال مقام وہ منور ہو گئیں۔

کچھ عرصہ کے بعد اُترنے کے طریقہ پر مباحثہ ہوا کہ کیا یہ نزول کسی خاص جگہ میں ہوا یا فی الواقعہ ہوا یا تاثیراً و مجازی طور پر ہوا۔

اگر اِس قسم کے مبالغہ آمیز تصورات کا مقدس نوشتوں کے سادہ اور مختصر بیان سے مقابلہ کریں تو یہ ظاہر ہوگا کہ دو ہی پشتوں میں آدمیوں کے انتخاب نے اُسپر کیا کچھ حاشیہ چڑھایا۔

لیکن اِس تفتیش سے ایک صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ پہلے زمانوں میں خاصکر پہلی تین صدیوں میں اعراف (یا پرگٹری) کا نام و نشان بھی نہ تھا پانچویں صدی میں آگسٹین نے بڑے تامل و احتیاط سے اِسکا ذکر کیا۔ البتہ پہلی چار صدیوں کے بزرگ یہ لکھتے ہیں کہ متوفی روحوں کو فرشتے آرام کی

حالت میں پہنچاتے ہیں - یہ قابل لحاظ ہے کہ متوفی شخصوں کے لئے دعا مانگنے کا ذکر دوسری صدی کے اخیر میں پایا جاتا ہے لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ لوگ ایسی دعاؤں پر اعتراض کرتے تھے اور اس اعتراض کا یہ جواب دیا جاتا تھا کہ ہم صرف یہ دعا مانگتے ہیں کہ متوفی دوستوں کی مبارک حالت قایم رہے اور اگرچہ ہمیں یقین ہے کہ وہ رہیگی تاہم الٰہی باتوں کے لئے بھی دعا مانگنا روا ہے - یا یہ جواب کہ یوم الآخر کو وہ بیدار پائے جائیں - اگرچہ یہ بھی یقینی بات ہے - ایسے جواب غیر کافی ہیں کیونکہ مقدس نوشتوں میں ایسی دعا مانگنے کا کچھ ذکر نہیں - لیکن ان جوابوں سے یہ صاف پتا لگتا ہے کہ اسراف کے سبب سے وہ ہرگز دعا نہ مانگتے تھے -

اگر مقدس نوشتوں ہی کا لحاظ کریں تو یہ معلوم ہوگا -

(۱) کہ مسیح کی موت کے وقت عہد عتیق کے مقدسوں کی حالت میں کسی قسم کا تغیر واقع ہونا ثابت نہیں بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ شروع ہی سے آرام اور جلال میں رہتے تھے -

(۲) متوفی مسیحی آدمی کی روح کے اترنے کا کچھ ثبوت نہیں بلکہ یہ صاف بیان ہے کہ فوراً مرنے کے بعد وہ ذوالجلال اور جی اٹھے مسیح کے پاس جاتی ہے -

(۳) بدن کی مخلصی کے وقت (رومیوں ۸ - ۲۳) جب بدن بھی آ کر روح سے مل جائیگا تو اسکی طاقت اور خوشی بہت بڑھ جائیگی -

مقدس نوشتوں میں متوفی شخصوں کی روحوں کی حالت کا تو صاف

چھٹا باب

مسیح کا کام

اُسکا جی اُٹھنا۔ اُسکا صعود۔ جا بیٹھنا۔ اور اُسکی دوسری آمد

اس موقع پر خداوند کے جی اُٹھنے کے ثبوت ہم پیش نہیں کرتے کیونکہ یہ دوسری شاخ سے متعلق ہے۔ ہم اسے مسلّم سمجھتے ہیں کہ بہت مختلف دلیل سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ مصلوب شدہ خداوند اپنے اُسی بدن کے ساتھ تیسرے دن پھر دکھائی دیا اور اُسنے اپنے شاگردوں کو برکت دی اُنکو سکھایا اور اُنکے دیکھتے دیکھتے آسمان پر چڑھ گیا۔ ہمارا یہ کام ہے کہ جو تعلیم ان باتوں سے متعلق ہے اُسکا بیان کریں۔

مسیح کے جی اُٹھنے سے ثابت ہوا کہ وہ سچا تھا اور موت پر غالب آیا اور یقیناً خدا کے لئے مخصوص ہوا۔ یوحنا ۲: ۱۹ تا ۔ اعمال ۲: ۲۴ و ۳۲ تا ۳۱۔ ۳۰: ۱۳ تا ۳۱: ۳۱: ۱۵ تا ۳۱ ۔ رومیوں ۱: ۴ و ۴: ۲۴ و ۲۵ ۔ ۶: ۹ تا ۸: ۳۴ ۔ ۱۴: ۹ ۔ ۱ کرنتھیوں ۱۵: ۳ سے ۲۲ ۔ ۱ فلپیوں ۲: ۱۰ و ۱۱ ۔ کلسیوں ۱: ۱۸ ۔ ۱ تھسلنیکیوں ۴: ۱۴ ۔ عبرانیوں

۱۳ - ۲۰ و ۲۱ ۔ ۱ پطرس ۱ - ۳ و ۲۱ ۔ مکاشفہ ۱ - ۱۷ و ۱۸ -

اُٹھا تو وہی شخص لیکن کیتقدر تبدیل کے ساتھ - جو بدن گاڑا گیا تھا وہی جی اُٹھا لیکن اسپر زور دینا نہیں چاہئیے کہ اسکے بدن کے ذرات وہی رہے کیونکہ اس زندگی میں ہمارے بدنوں کی بھی یہ ضروری شرط نہیں ہے - ہوبیت یعنی کسی شخص کا ریما وہی رہنا روحانی ہویت پر منحصر ہے - جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارا ہاتھ وہی ہے جو دس برس پہلے تھا تو ہمارا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اُس میں وہی ذرات ہیں (کیونکہ علم طب سے ثابت ہوا کہ ہر سات سال کے عرصہ میں بدن کے ذرات بالکل نئے ہو جاتے ہیں) بلکہ ہمارا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اُس ہاتھ کا رشتہ ہماری روح سے وہی ہے۔ اناجیل سے یہ ظاہر ہے کہ مسیح کا جی اٹھا بدن حقیقی بدن ہے کیونکہ اُسکے شاگردوں نے اُسے چھوا - تاہم یہ بھی ظاہر ہے کہ بدن کی ہستی کا طریقہ وکام کچھ بدل گیا تھا - یہ معلوم ہوتا ہے کہ ٹھوس مادہ کے بیچ سے وہ ایسے طور سے گذر سکتا تھا کہ ہماری عقل سے باہر ہے - ایک نئے طور سے وہ اُسکی روح کا حکم بجا لانے کے لئے بالکل تیار ہو گیا - بعض مفسر سمجھتے ہیں کہ ۱ قرنتی ۱۵ - ۴۵ میں جو یہ محاورہ ہے کہ پچھلا آدم جلانے والی روح ہوا - اسکے یہ معنی ہیں کہ جب وہ جی اٹھا تو اُسکی روح نہ صرف اُسکے بدن کی زندگی تھی بلکہ جو چاہتی تھی اُسکے بدن سے کراتی تھی ۱ قرنتی ۱۵ - ۴۵ میں لکھا ہے کہ ہمارا خداوند آدم ثانی ہوگیا یعنی اُسوقت وہ زندگی بخش روح کا چشمہ ٹھہرایا گیا - جسکے سبب سے وہ نئی روحانی خلقت کا سر ہوگیا

[illegible]
یہ ماجرے تواریخی طور پر وقوع میں آئے تو اُنکے روحانی نتائج کی ایسی ترقی ہوئی کہ ہم انسانی طور سے کہہ سکتے ہیں کہ اُنکا نیا آغاز ہوا۔ بہر صورت ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے کہ مسیح آدم ثانی اسلئے ٹھہرتا ہے کہ مجسم ہوکر مرگیا اور جی اُٹھا نہ محض اسلئے کہ وہ مجسم ہوا۔ اسی سبب سے وہ نئی خلقت اور زندگی و صلح کا چشمہ ہوگیا ہے۔

مسیح کے صعود کا اُسکے جی اُٹھنے سے خاص تعلق ہے اصل میں دونوں ایک ہی ہیں۔ مقدس نوشتوں میں کچھ پتا نہیں کہ صعود کے وقت مسیح کے بدن میں کچھ فرق آیا (۱ کرنتھی ۱۵-۵۰) جسم اور خون خدا کی بادشاہت کے وارث نہیں ہو سکتے۔ اور لوقا ۲۴-۳۹ میں جہاں مسیح اپنے گوشت اور ہڈی کا ذکر کرتا ہے وہاں خون کا ذکر نہیں کرتا۔ صعود سے اُسکی بدنی ماہیت جاتی نہ رہی کیونکہ صعود کے بعد پولوس کو وہ ایسے طور سے دکھائی دیا جس سے اُسے یقین ہوگیا کہ مسیح بدن کے ساتھ جی اُٹھا ہے (۱ کرنتھی ۹-۱ و ۱۵-۸)۔

صعود کے حالات ہماری عقل کی رسائی سے پرے ہیں اور اُنکا معلوم کرنا ہمارا کام نہیں۔ ہمارا کام یہ ہے کہ منکشف ماجروں کی حقیقت معلوم کریں اور اُنکو اپنی نجات دہندہ کے کام کا ظہور جانکر اُن سے فائدہ اُٹھائیں۔ جب مسیح مردوں میں سے جی اُٹھا تو اپنے کلیسیا کا سر ہوگیا۔ جب وہ آسمان پر چڑھ گیا تو اُس نے اس عہدہ کا کام شروع کیا۔ اُسنے باپ کی طرف سے روح القدس کو بھیجا۔ وہ روح چونکہ خود مسیح سے اور اُسکے کام سے خاص تعلق رکھتا ہے اسلئے وہ مسیح کا روح بھی ہے۔ اُس وقت

اسنے فی الواقعہ درمیانی اور شفیع کا کام شروع کیا۔ دیکھو افیسون اور عبرانیوں کی طرف خط اور مکاشفہ کی کتاب۔ پیٹر یوحنا ۶۔ ۳۹ ء اعمال ۲۔ ۳۳ ے ۳۶ ء رومیوں ۸۔ ۳۴ وغیرہ۔

درمیانی اسلئے کہ وہ مجسم ہوا کفارہ ہوا اور جی اٹھا۔ درمیانی کے دو معنی ہیں، ایک عام اور ایک خاص۔ عام معنی ا تمطا ۲۔ ۵۔ "خدا اور آدمیوں کے بیچ ایک آدمی بھی درمیانی ہے وہ مسیح یسوع ہے جسنے اپنے تئیں سب کے کفارہ میں دیا"۔

خاص معنی مثلاً عبرانی ۹۔ ۱۵ "نئے عہد کا درمیانی" عبرانی ۷۔ ۲۲ ء ۸۔ ۶ ء "بہتر عہد کا ضامن" اس درمیانی کا خاص کام عہد کے بارہ میں ہے۔ یہ عہد خدا اور اسکی حقیقی کلیسیا کے درمیان ہے اُسکے دو خاص فوائد ہیں۔ (۱) گناہگاروں کو مقبول کرانا (۲) ایک نئے دِل کا عطا ہونا جسپر خدا کی شریعت نقش کیجاتی ہے۔ یہ عہد خدا انسان کے ساتھ بلا واسطہ نہیں باندھتا ہے بلکہ مسیح کے ذریعہ سے جو آدمیوں کا وکیل بھی ہے۔ عبرانیوں کے خط سے جس میں اس عہد کی خاص تعلیم ہے اور نیز سارے نئے عہدنامہ سے ہم یہ سیکھتے ہیں کہ خداوند مسیح نے اس عہد کی برکتیں اُس طور پر حاصل کیں کہ جب کبھی کوئی آدمی مسیح میں شامل ہوگا تو فوراً اُسے یہ برکتیں ملیں۔ اُسنے اُنکے واسطے گناہوں سے مخلصی خریدی اور باپ سے موعود روح کو حاصل کیا (عبرانی ۹۔ ۱۵ ء اعمال ۲۔ ۳۳)

جو رشتہ مسیح اور اُسکے لوگوں کے درمیان ہے وہ بھی روح ہے۔ اور

شفیع۔ رومیوں ۸۔۳۴، عبرانی ۷۔۲۵، یسعیاہ ۵۳۔۱۲

مقدس نوشتوں کے مطابق وہ دست بستہ نہیں بلکہ مقبول اور ذوالجلال بیٹے کے طور پر سفارش کرتا ہے۔ خدا کے تخت کے سامنے کھڑا نہیں بلکہ اُسی پر بیٹھا ہوا ہے رومیوں ۸۔۳۴، عبرانی ۱۔۳، ۴: ۱۴ تا ۱۶، ۸: ۱، ۱۰: ۱۱ تا ۱۳۔ حق اور اختیار سے ہماری سفارش کرتا ہے۔ ہم مفصل طور سے نہیں کہہ سکتے ہیں کہ وہ کس طرح سے سفارش کرتا ہے بات یہ ہے کہ وہ اور اُس کے لوگ ایک ہیں۔ اور یہ کہ مذبوح برہ کے بھیس میں اُنکے لئے باپ کے حضور رہتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مقدس نوشتوں کے مطابق وہ اپنی کلیسیا کے لئے سفارش کرتا ہے لیکن ہرگز یہ کہنا نہیں چاہیے کہ مسیح اوروں پر ترس نہیں کھاتا ہے

مسیح کے اِس کام سے اُسکی کہانت خاص تعلق رکھتی ہے۔ جسکے بارہ میں عبرانیوں کے خط میں مفصل بیان ہے۔ اُس سے ہم یہ سیکھتے ہیں کہ یسوع مسیح کامل خدا اور کامل اِنسان بےداغ اور ذوالجلال ابدی الٰہی سردار کاہن ہے جسکی طرف ملک صدق (جو بادشاہ تھا اور جسکا کوئی جانشین نہ تھا) اشارہ کرتا تھا۔ اور جسکے کفارہ کا نمونہ وہ کفارہ تھا جسکی رسم کفارہ کے دن ہارون بجا لاتا تھا۔ (احبار ۱۶)۔

عبرانیوں کے خط کے مطابق جس طرح سے یہودی سردار کاہن کفارہ کے دن قربانی کے جانور کو باہر ذبح کرکے قدس الاقدس میں خون لاکر گذرانتا تھا اُسیطرح مسیح اپنی صلیبی قربانی کا خون گذرانتا ہے بلکہ اُس میں یہ فرق بھی ہے کہ حقیقی سردار کاہن مسیح ہی قدس الاقدس میں [illegible]

(عبرانی ۸ - ۱ و ۱۰ - ۱۱ و ۱۲ و ذکریاہ ۶ ۱۳ -

اُس میں ہارون اور مِلک صدق دونوں کے نمونے تکمیل پاتے ہیں جب ہم فضل کے تخت کے نزدیک جاتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ اُسکے اوپر ہمارا سردار کاہن بیٹھا ہوا ہے جسطرح سے کہ عہد کے صندوق کے اوپر خدا کا جلال رشقینہ) تھا - اور وہاں سے اپنی قربانی کے نتایج یعنی برکتیں تقسیم کرتا ہے - عبرانیوں کے خط میں اِس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ نہ صرف مسیح کا کفارہ بلکہ اُس کفارہ کا گذراننا ایک ہی بار ہوگیا ہے حالانکہ سردار کاہن کی سفارش کی برکت اور دعائے خیر جو اس قربانی پر مبنی ہے ہمیشہ ہوا کرتی ہے - عبرانی ۱ - ۳ و ۹ - ۲۵ و ۲۶ و ۱۰ - ۱۰ و ۱۲ و ۱۳ و ۱۴ - یہاں یہ سوال آتا ہے کہ آیا مقدس نوشتوں کے مطابق آسمان پر ہمارا خداوند کسی مذبح کے پاس کھڑا ہے ؟ نہیں - کیونکہ قدس الاقدس میں کوئی مذبح نہ تھا - وہاں صرف مذبوحوں کا خون جاتا تھا جو اس بات کا نشان تھا کہ قربانی کی گئی - عبرانیوں کے خط میں کہیں نہیں لکھا کہ خدا کے حضور کوئی مذبح ہے ۱۳ - ۲۳ کے قرینہ سے یہ ظاہر ہے کہ وہاں اُسکی صلیبی موت کی طرف اشارہ ہے - مکاشفہ ۶ - ۹ و ۸ - ۳ و ۵ میں مذبح کا ذکر تشبیہاً ہے - یہ بھی کہنا نہیں چاہتے کہ اُسکا خون خدا کے حضور دیا اور لفظاً گذرانا جاتا ہے - یہودیوں کے قدس الاقدس میں خون تو صرف ایک ہی دفعہ آتا تھا لیکن اُسکی برکت برابر جاری رہتی تھی اور جب حقیقی قدس الاقدس میں مسیح کے خون گذراننے کا ذکر آتا ہے تو ہمیشہ اُسکے داخل ہونے کے وقت کا [illegible] کے وقت ہوا (عبرانی ۹ - ۱۲) فی الحقیقت مصلو[illegible]

رہتا ہے ۔ عبرانیوں کے خط میں تو اسکا نام و نشان بھی نہیں ۔ اگرچہ
مکاشفہ کی کتاب میں خداوند یسوع برہ کی شکل میں نظر آتا ہے ۔ لیکن قرینہ
سے ظاہر ہے کہ جو مصلوب ہوا وہی ساری خلقت کا اکیلا درمیانی ہے ۔
مکاشفہ ۵ باب ۶ - ۱۲ و ۶ - ۹ و ۹ - ۱۶ و ۱۴ - ۱ و ۴ و ۱۰ و ۱۶ -
۱۴ و ۲۱ - ۲۲ و ۲۳ و ۲۴ - ۳ -

فی الجملہ خداوند ہمیشہ کے لئے شاہی سردار کاہن ہے ۔ پس گویا یہہ
منقش ہے کہ اُسنے ایک ہی دفعہ ایک کامل قربانی چڑھائی ۔ لیکن اب
اور ہمیشہ سردار کاہن کی طرح ایسی سفارش کرتا ہے جو اُس قربانی پر مبنی
ہے ۔

علاوہ ازیں مسیح نہ صرف کاہن ہے بلکہ بادشاہ بھی ہے ۔ مُردوں
میں سے جی اٹھکر اُسے آسمان اور زمین کا سارا اختیار ملا ہے (متی ۲۸
۱۸) ۔ اس شاہی سے خدا باپ کا اختیار جاتا نہیں رہتا ہے بلکہ اس
سے یہ مُراد ہے کہ جو خدا بیٹا مجسّم ہوا اور باپ کے ساتھ ایک ہے
وہ خدا باپ کے مقاصد کو پورا کرتا ہے یعنی نجات کے بندوبست کو سرانجام
دیتا ہے اور اُس نے باپ کا جلال بیٹے میں ظاہر ہوتا ہے ۔ اس شاہی
کے ذریعہ سے خدا آخرکار گناہ اور موت پر فتح کا ڈنکا بجائیگا ۔ اور اسکی کلیسیا
ذوالجلال ہوجائیگی ۔ جب گناہ اور موت بیٹے کے پاؤں تلے پامال ہونگے
تب اس شاہی کے کام کا سرانجام ہوگا ۔ اسی کے بارہ میں لکھا ہے کہ
"بیٹا" آپ ہی اُسکا (یعنی باپ کا) تابعدار ہوجائیگا (۱ کرنتھی ۱۵ - ۲۰ و ۲۸)
خواہ وہ واقعہ کیسا ہی کیوں نہ ہو تاہم بیٹے کا جلال گھٹ نہ جائیگا ۔ جو

بادشاہت ابدالآباد تک رہیگی وہ مسیح اور خدا دونوں کی کہلاتی ہے (افسیون ۵ - ۵) - اور مکاشفہ ۲۲ - ۳ میں آسمانی تخت خدا اور برہ دونوں کا کہلاتا ہے -

مقدس نوشتوں میں یہ بھی صاف لکھا ہے کہ مسیح موجودہ زمانہ میں اپنی کلیسیا کے برگزیدوں کو جمع کرتا اور مقدس کرتا جاتا ہے لیکن اسکا ذکر روح القدس کی تعلیم کے وقت ہوگا -

مسیح کی دوسری آمد کا بیان ہم صرف سرسری طور پر کرسکتے ہیں نا تکمیل یافتہ پیشین گوئیوں کا میدان وسیع ہے - کیونکہ انکا سمجھنا لابد دنیاوی تواریخ پر کسیقدر منحصر ہے -

البتہ مقدس نوشتے یہ سکھاتے ہیں کہ جو چیزیں "ہنوز نظر میں نہیں" آتیں لیکن جنکا ذکر پیشگوئی میں ہوا ہے انکو غور سے دریافت کرنا چاہئے لیکن چونکہ یہ تفتیش خاص قسم کی ہے اسلئے بڑی احتیاط سے کام لینا چاہئے اسواسطے ہم اس موقع پر مسیح کی دوسری آمد کے متعلق چند بڑی باتوں کے بارہ میں مقدس نوشتوں کی تعلیم کا ذکر کرینگے - اور جو رائیں انکے بارہ میں ہوئی ہیں انکا مختصر بیان کرینگے -

(الف) مقدس نوشتوں میں صاف بیان ہے کہ مسیح کی دوسری آمد مجازی نہیں بلکہ حقیقی ہوگی اعمال ۱ - ۱۱ ÷ افسیون ۱۵ - ۲۳ و ۴۷ و ۵۲ فلپیون ۳ - ۲۰ و ۲۱ ÷ ۱ تسلونیقی ۱ - ۱۰ ÷ ۴ - ۱۴ سے ۱۶ ÷ ۲ تسلونیقی ۱ - ۷ و ۸ ÷ ۲ تمطا ۲ - ۱۸ ÷ ۱ پطرس ۵ - ۴ ÷ ۱ یوحنا ۲ - ۲۸ ÷

جہان میں کامل طور سے حاصل ہوگی مکاشفہ ۲۰ - ۲ سے ۷ +

(۵) اس زمانہ کے آخر سے بھی متعلق ہے مکاشفہ ۲ - ۷ سے ۱۱ -

(۶) بنی اسرائیل کی بحالگی سے متعلق ہے بحالی یعنی خواہ دنیاوی جسکا عہد جدید میں بہت ذکر ہے لوقا ۲۱ - ۲۴ + اعمال ۱ - ۶ خواہ روحانی سردیپل ۱۱ + مکاشفہ ۷ - ۴ سے ۸ + ۲۱ - ۲ -

مخفی نہ رہے کہ اگرچہ بنی اسرائیل کی روحانی بحالگی ضرور ہوگی تاہم یہ شک ہے کہ وہ مسیح کی دوسری آمد کے عین وقت پر ہوگی یا نہیں - رومیوں ۱۱ - ۲۶ -

دنیاوی بحالگی کے بارہ میں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ عہد عتیق کی جن عبارتوں میں اسکا ذکر ہے عہد جدید میں عموماً اُنکے روحانی معنی لئے جاتے ہیں (دیکھو یوحنا ۴ - ۲۱ سے ۲۴ + ۶ - ۴۵ + مکاشفہ ۲۱ باب عبرانی ۸ باب -

مسیح کی دوسری آمد کے بارہ میں رائوں کا سُراغ

(۱) عہد جدید سے ظاہر ہے کہ سب مسیحی مانتے تھے کہ فی الواقع مسیح پھر آئیگا اور بعض کلیساؤں کا یہ خیال تھا کہ وہ جلد آئیگا (۲ تسلونیقی ۲ - ۱)

مرجاؤنگا فلپیون ۱-۲۳ ÷ ۲ تمطا ۴-۸ ÷ ۱ قرنتی ۶-۱۴ ÷ ۱۴ ÷ ۲ قرنتی
۴-۱۴ ÷ فلپیون ۳-۱۱ ÷ (معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں پولوس
نے خیال کیا کہ شاید میں اُس آمد کے وقت تک جیتا رہونگا لیکن
پیچھے اُسپر منکشف ہوگیا کہ میں مسیح کے آنے سے پیشتر مرجاؤنگا)
خود مسیح نے یہ بتایا کہ اغلباً میری آمد کو دیر لگیگی (متی ۲۵-۱۹)

(۲) دوسری صدی میں یسطین کہتا ہے (مکالمات ۸۰ و ۸۱ و ۸۲)
کہ ہزار برس تک مقدس لوگ پہلی قیامت کے بعد اِس یروشلم کے
اردگرد جلال میں رہینگے اور یہ کہ اُن ہزار برسوں کے بعد عام قیامت
ہوگی۔ تو بھی وہ یہ مانتا ہے کہ یہ رائے سب مسیحیوں کی نہیں ہے۔
اریمنوس کی رائے اِسی قسم کی تھی۔

(۳) تیسری صدی میں اوریجن اور اسکندریہ کے عالم لوگ اِسکے
برعکس تعلیم دیتے تھے یعنی یہ کہ وہ دوسری آمد کو بالکل مجازی طور پر سمجھتے
تھے۔ مثلاً ڈالونی سی اس۔

(۴) چوتھی صدی میں آگسٹین نے یہ رائے پیش کی کہ شیطان کا جکڑبند
ہونا انجیل کی ابتدا سے شروع ہوا اور اُسکا تھوڑے عرصے کے لئے
آزاد ہونا ۱۰۰۰ء میں واقع ہوگا مکاشفات ۲۰-۲ و ۷۔ بہت لوگ اِس
رائے کو مانتے تھے۔

(۵) وسطی زمانوں میں اِس قسم کی رائے مروج تھی مسیحیوں میں
سے اکثروں کا یہ خیال تھا کہ ہمارے زمانہ میں مذکورہ بالا تھوڑا "ساعرصہ"
شروع ہوا ہے۔

(۶) سترہویں صدی کے شروع میں یہ رائے قرار پائی کہ مسیح کی آمد کے بعد ہزار برس تک اس زمین پر بہت روحانی خوشی اور کامیابی حاصل ہوگی - اس صدی میں یہ رائے بہت پھیل گئی ہے -

اس بات کی تشریح مکاشفہ کی کتاب کی تفسیر پر بہت کچھ موقوف ہے اور اس تفسیر کے بارہ میں عموماً دو قسم کی رائیں ہیں (اوّل) یہ کہ تواریخ میں اس کتاب کی پیشگوئیاں پوری ہوتی چلی آئی ہیں (دوم) یہ کہ اُسکا اکثر حصّہ ہنوز پورا نہیں ہوا مثلاً ۱۷ و ۱۸ باب -

پہلی قسم کی رائے کے لوگوں میں بھی کچھ اختلاف ہے بعض سمجھتے ہیں کہ ہزار برس کا زمانہ ہوچکا - آجکل کی بے ایمانی سے معلوم ہوتا ہے کہ مکاشفہ ۲۰ - ۳ کا تھوڑا سا عرصہ شروع ہوا ہے - بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہزار برس کا زمانہ آئیوالا ہے - اس آخری رائے کے لوگوں میں بھی کچھ اختلاف ہے - کیونکہ بعض سمجھتے ہیں کہ اُس زمانہ میں البتہ الٰہی قدرت کے ذریعہ سے (اعجازی یا غیر اعجازی) بہت برکتیں تو ہونگی لیکن وہ ظاہری طور سے نہ آئیگا حالانکہ بعض مسیح کی ظاہری آمد کے منتظر ہیں - ۱ تسلونیکی ۴ - ۱۳ وغیرہ -

اِس موخرالذکر رائے کے مطابق ہزار برسوں کے زمانہ میں خدا کی روحانی سلطنت زمین پر قریباً تکمیل پائیگی - قوم کی قوم اسپر ایمان لائیگی بنی اسرائیل بحال اور سرفراز ہونگے اور شاید آسمان و زمین کے درمیان کچھ خاص تعلق پیدا ہوجائیگا - لیکن اِس زمانہ کے اختتام پر یہ حالت تنزل، بگڑ جائیگی - شیطان کھل کر ... اور ... کے درمیان آخری لڑائی ہوگی

مذکورہ بالا رایوں کی تائید میں الگ الگ ہم بعض آیات کا حوالہ دیتے ہیں۔

(اوّل) یہ کہ ہزار برس کا زمانہ جس میں کم و بیش دنیاوی برکت روحانی برکت کے ساتھ ساتھ ہوگی۔ اسکی تائید عہد عتیق میں زمین کے بحال ہونے کی پیشین گوئیوں سے ہوتی ہیں (مزمور ۳۷ ؛ یسعیاہ ۳۵ باب ۶۵ - ۱۷ سے ۲۵ ؛ عہد جدید میں اُسی قسم کے مقامات اور اسرائیل کے بحال ہونے کے بیان سے ہوتی ہے۔ متی ۵ - ۵ ؛ رومیوں ۱۱ ؛ مکاشفہ ۲۰ باب۔

(دوم) ہزار برس کے زمانہ سے پیشتر مسیح کی دوسری آمد کی تائید میں (۱ قرنتی ۱۵ - ۲۳ و ۲۴ مکاشفہ ۲۰ - ۴ و ۶ ؛ مسیح کی نصیحتیں کہ مقدس لوگ میرے آنے کے لئے طیار رہیں مثلاً متی ۲۴ - ۴۴۔

(سوم) ہزار برس کے زمانہ کے بعد دوسری آمد اور قیامت دونوں ہونگی یوحنا ۵ - ۲۹ ؛ ۲ تسلونیکی ۱ - ۱۰ ؛ ۲ پطرس ۳ - باب

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر مکاشفہ کے ۲۰ باب پر خوب غور کیا جائے تو وہ صریحاً مجازی ظاہر ہوگا۔ اور یہ کہ عہد عتیق کی اکثر پیشین گوئیاں عہد جدید میں موجودہ یعنی انجیل کے زمانہ سے نہ کہ کسی آئندہ زمانہ سے منسوب کی جاتی ہیں۔ خصوصاً یہ بھی یاد رہے کہ اگرچہ مختلف رائیں ہیں لیکن اِسپر سب متفق ہیں کہ دوسری آمد ہوگی ہم سبھوں کے دلوں پر یوحنا رسول کا یہ کلمہ نقش کیا جائے کہ "ہاں اے خداوند

عدالت

آئندہ عدالت کی بابت پیشین گوئیاں کثرت سے مقدس نوشتوں میں پائی جاتی ہیں۔ وہ عدالت یوم آخرت سے متعلق ہے۔ متی ۱۰: ۱۵، ۱۲: ۳۶ و ۴۱، ۲۵: ۳۱-۴۶ ۔ ۳۴ و ۳۵ و ۳۶ ۔ یوحنا ۵: ۲۲، ۲۴، ۲۷ و ۲۹ اعمال ۱۰: ۴۲، ۱۷: ۳۱، ۲۴: ۲۵ ۔ رومیوں ۲: ۵ سے ۱۶، ۱۴: ۱۰ ۔ ۱ کرنتھیوں ۳: ۱۳ ۔ ۲ کرنتھیوں ۵: ۱۰ ، تمطا ۵: ۲ ۔ ۲ تمطا ۴: ۱ ۔ عبرانی ۶: ۲ ، ۹: ۲۷ ، ۱۰: ۲۷ ۔ ۲ پطرس ۳: ۷ ۔ ۱ یوحنا ۴: ۱۷ ۔ یہوداہ ۶ ۔ مکاشفہ ۲۰: ۱۱ سے ۱۵ ۔ منصف خود خدا ہے۔ عالم کل اور عادل کل ہے۔ مزمور ۵۰: ۶ ۔ رومیوں ۲: ۱۶ عبرانی ۱۲: ۲۳ ۔ لیکن مسیح بیٹا خصوصاً منصف کہلاتا ہے اور یہ مناسب ہے کیونکہ وہ ابن آدم ہے" یوحنا ۵: ۲۲ ۔ اعمال ۱۰: ۴۲ ، ۱۷: ۳۱ ۔ چونکہ اُسنے انسان کی حیثیت میں آزمایش کی برداشت کی اگرچہ اُسنے گناہ کبھی نہیں کیا۔ اس سے خدا آدمیوں پر یہ ثابت کرتا ہے کہ گناہوں کی عدالت میں رحمت اور انصاف دونوں مکمل ہونگے۔

جنکی عدالت ہوگی وہ نوع انسان مع افرشتوں ہیں متی ۲۵: ۳۲ ۔ یوحنا ۵: ۲۲ ۔ مکاشفہ ۲۰: ۱۲ ۔ پیدایش ۱۸: ۲۵ ۔ واعظ ۱۲: ۱۴ ۔ یہاں یہ سوال لازم آتا ہے کہ جب آدمیوں کی حالت و لیاقت از حد مختلف ہے تو کسطرح سے ہرایک کی عدالت ہوگی۔ جواب یہ ہے

اور نہ ہم ہر شخص کی روحانی حالت کا بیان کر سکتے ہیں۔ بہتر ہے کہ
ہم یہ یاد رکھیں کہ منصف ہم نہیں بلکہ خدا ہی عادل اور منصف ہے۔
گرچہ آدمیوں کا شمار کرنا ہی کیوں نہ ہو سب کا منصف، راستی سے ہر ایک
کا انصاف کریگا (پیدائش ۱۸: ۲۵) [illegible] یا اور دوسرا کسی کا [illegible]
نہ ہوگا۔ کسی پر فوق العادت بدلی کے باعث سزا کا حکم نہ ہوگا۔ سزا
صرف گناہ کے لئے ہوگی اور جس شخص نے نجات کی خبر کبھی نہیں سنی
اسکا گناہ اگرچہ قصورواری ہر ایک گناہ میں ہے اتنا سخت نہ ہوگا
جتنا اس شخص کا گناہ جسنے وہ خبر سنی (متی ۱۱: ۲۰-۲۴، لوقا ۱۲: ۴۷ و
۴۸)۔ برعکس اسکے یہ بھی یاد رہے کہ عدالت کے وقت یہ ظاہر ہوجائیگا
کہ نورِ قلب کی نافرمانی کرنے میں بڑی قصورواری ہے۔ خواہ وہ نوشتہ بنا ہو
یا نہ بنا ہو (رومیوں ۲: ۱۲-۱۶)۔

یہ تو بڑا بھید ہے کہ جنہوں نے انجیل کی خبر نہیں سنی انکی عدالت
کس طرح سے ہوگی۔ بہتر ہے کہ ہم اس بات کو خدا پر چھوڑیں۔ ایک
طرف تو یہ یاد رکھیں کہ وہ عادل مطلق اور رحیم مطلق ہے اور ایک
طرف یہ کہ مقدس نوشتے اسپر زور دیتے ہیں کہ آدمیوں کی نجات کے
لئے انجیل کا ہر جگہ سنایا جانا ضرور ہے۔ کیا ہر ایک آدمی کا تجربہ یہ
نہیں سکھاتا ہے کہ خدا کی مرضی بجا لانے کے لئے پورے طور سے
انجیل کی ضرورت ہے۔ کوئی کتنا بھلا کیوں نہ ہو [illegible] پر مقدس
نوشتے اس امید کی وجہ ظاہر نہیں کرتے ہیں کہ انجیل کے بغیر آدمی
کی نجات ہو سکتی ہے (رومیوں ۱: ۱۶، ۱۰: ۱۳-۱۵، اعمال ۴: ۱۲)۔

مسیح کی حقیقی کلیسیا یعنی برگزیدہ اور نجات یافتہ لوگوں کی اُسوقت کس طرح سے عدالت ہوگی رومیوں ۱۴ + ۱۰ + ۱ قرنتی ۵ - ۱۰ + ۱ قرنتی ۳ - ۱۵ + تاہم یہ بھی منکشف ہے (اگرچہ بادی النظر میں نقیض معلوم ہو) کہ "جو خدا کے بیٹے پر ایمان لاتے ہیں اُنپر سزا کا حکم نہیں" یوحنا ۵ - ۲۴ + رومیوں ۸ - ۳۳ -

شاید اسطرح سے اِن مقامات کو ملا سکتے ہیں کہ اُس دن برگزیدہ لوگ مسیح میں بالکل مقبول ہونگے لیکن اُنکے نورِ قلب کی کتاب بھی کُھل جائیگی اور اِس زندگی کے کاموں کے مطابق اُنکے مختلف درجے ہونگے متی ۴۵ - ۱۹ سے ۲۳ + ۱ قرنتی ۳ - ۱۴ و ۱۵ -

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مقدس لوگ جو منصف مسیح کے عضو ہیں کسی نہ کسی طرح سے عدالت کے کام میں اُسکے شریک ہونگے ۱ قرنتی ۶ - ۲ دانیال ۷ - ۲۲ + متی ۱۹ - ۲۸ + مکاشفہ ۲۰ - ۴ - اُسوقت فرشتوں کی عدالت بھی ہوگی یہوداہ ۶ + متی ۲۵ - ۴۱ + ۸ - ۲۹ + ۱ قرنتی ۶ - ۳ -

بعض لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ عدالت کا کام خود بخود ہوتا جاتا ہے اور البتہ مقدس نوشتوں میں اُسکے بارہ میں تشبیہیں کام آتی ہیں مثلاً یہ کہ کتابیں کھولی جائینگی لیکن عام بیان سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حقیقی واقع ہے اور ایک دوسرے واقع یعنی مُردوں کے جی اُٹھنے سے اِسکا خاص تعلق ہے ۔ فی الجملہ مقدس نوشتوں میں عدالت کا ایسا ذکر آیا ہے کہ گویا اُسکے ذریعے سے آدمیوں کی آزمائش اور تخلیص کا کام ختم ہوگیا۔

نہیں۔ شاید وہ ایک زمانہ ہو یا شاید اُس سے اچانک تبدیلی مراد ہو جسطرح سے پہلی آمد واقعی تھی اُسیطرح دوسری آمد عدالت کے ساتھ واقعی ہوگی "ہمیں یقین ہے کہ تو ہمارا انصاف کرنے کو آئیگا اِسواسطے ہم تیری منت کرتے ہیں کہ تو اپنے بندوں کی مدد کر جنکو تونے اپنا قیمتی لہو دیکر چھڑایا ہے"۔

ساتواں باب

روح القدس کی تعلیم

روح القدس کی شخصیت

ہم یہ کہہ چکے ہیں کہ مقدس نوشتوں میں ایک تیسرے اقنوم کا ذکر ہے جو الٰہی ذات میں شامل ہے اور اُس الٰہی کام میں شریک ہے وہ ساری خلقت میں اور خصوصاً آدمی میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس اقنوم کے کئی نام آتے ہیں "روح" "خدا کا روح"۔ "مسیح کا روح" "خدا کے بیٹے کا روح" "روح القدس" اور "فارقلیط" یعنی مددگار صاف ظاہر ہے کہ یہ مقدس طاقت الٰہی ذات سے متعلق ہے مثلاً ا کرنتھی ۲-۱۰۔ "روح خدا کی گہری باتوں کو بھی دریافت کر لیتی ہے" خدا کے بندہ میں ایسا بستا ہے گویا ہیکل میں افسیوں ۲-۱۹۔ روح القدس

کے خلاف کفر بکنا ناقابل معافی گناہ ہے متی ۱۲-۳۱ و ۳۲ -

ایک زمانہ میں بعض لوگوں کی یہ رائے تھی کہ روح القدس مخلوق ہے لیکن یہ رائے مقدس نوشتوں کے بالکل برخلاف ہے کہ آجکل کوئی اُس رائے کو نہیں مانتا - آجکل مباحثہ اِس بات پر ہے کہ کیا وہ الٰہی صفت ہے یا الٰہی شخص ہے - بادی النظر میں مقدمتہ الذکر رائے کی کچھ تائید ہو سکتی ہے - کیونکہ یونانی لفظ نیوما نہ مذکر ہے اور نہ مونث ہے بلکہ مخنث ہے اور اُسکے لفظی معنے سانس کے ہیں - پس محض لفظ سے اُسکی شخصیت ثابت نہیں ہوتی - اور آدمی کی روح کی مشابہت سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی صفت ہے نہ کہ الٰہی ذات میں الگ شخص - اور چونکہ مقدس نوشتوں کے جن مقامات میں اُسکا ذکر آتا ہے اُنسے ہمیشہ یہ پتا نہیں لگتا کہ وہ کام کرنے والا ہے یا کام بخشنے والا ہے یا بخشش ہے تو کیا یہ کہنا اچھا نہیں کہ اُس لقب روح القدس سے اُتنا ہی مراد ہے کہ خدا روحانی طور سے کام کرتا اور بخشتا ہے - لیکن ان سب حجتوں کے برخلاف مقدس نوشتوں میں چند اہم باتیں پائی جاتی ہیں -

اگر روح القدس کی تعلیم کو صحیح طور سے سمجھنا چاہیں تو پہلے یوحنا ۱۴ و ۱۵ و ۱۶ بابوں کو خوب غور سے پڑھیں کیونکہ اُن میں مسیح بڑی سنجیدگی سے اُسکا بیان کرتا ہے - ان بابوں میں صاف طور سے روح القدس کا ایسا ذکر ہے کہ وہ شخص ہے یونانی زبان کا لحاظ کرنے سے یہ زیادہ ظاہر ہوتا ہے کیونکہ اگرچہ نیوما مخنث ہے لیکن اُسکے لئے اسمائے ضمیر

متی ۱۲ - ۳۱ و ۳۲ ÷ اعمال ۸ - ۳ و ۹ ÷ ۷ - ۵۱ ÷ ۸ - ۲۹ و ۳۹ ÷
۱۰ - ۱۹ ÷ ۱۳ - ۲ و ۴ ÷ ۱۵ - ۲۸ ÷ ۱۶ - ۶ ÷ ۲۰ - ۲۳ و ۲۸ ÷ ۲۱
۱۱ ÷ ۲۸ - ۲۵ ÷ رومیوں ۸ - ۱۴ و ۱۶ و ۲۶ و ۲۷ ÷ ۱۵ - ۳۰ ÷ ۱
قرنتی ۲ - ۱۰ ÷ ۳ - ۱۶ ÷ ۶ - ۱۹ ÷ ۱۲ - ۱۱ ÷ ۱ افسیوں ۴ - ۳۰ ÷
۱ تمطا ۴ - ۱ ÷ عبرانی ۳ - ۷ ÷ ۹ - ۸ ÷ ۱۰ - ۱۵ ÷ ۲ پطرس ۱ - ۲۱ ÷
مکاشفات ۱ - ۴ ÷ ۲ - ۷ و ۱۱ و ۱۷ و ۲۹ ÷ ۳ - ۶ و ۱۳ و ۲۲ ÷ ۱۴
- ۱۳ ÷ ۲۲ - ۱۷ -

اِن مقامات میں روح القدس صاف شخص نظر آتا ہے اور باقی مقامات بھی اُسکی شخصیت کے نقیض نہیں ہیں۔ جسطرح سے بیٹے کی الوہیت کے بارہ میں اُسی طرح سے یہاں بھی مقدس نوشتوں کے خدا کی وحدت پر زور دینے ہی سے ثالوث کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر روح القدس الٰہی ذات کا شخص نہ ہوتا تو مقدس نوشتے کبھی اُسکا ایسا ذکر نہ کرتے۔

عہد عتیق میں روح القدس کی شخصیت کے بارہ میں ایسا صاف بیان پایا نہیں جاتا۔ پیدائش کی کتاب سے لیکر انبیاء صغیر تک خداوند یا خدا کی روح کا ذِکر آتا ہے (پیدائش ۱ - ۲ ÷ ایوب ۲۶ - ۱۳ ÷ مزمور ۱۰۴ - ۳۰) ۔ (پیدائش ۲ - ۷ ÷ ایوب ۲۷ - ۳) قاضی ۳ - ۱۰ ÷ خروج ۳۱ - ۳ ÷ امثال ۱ - ۲۳ ÷ مزمور ۵۱ - ۱۱ ÷ یسعیاہ ۶۳ - ۱۰ ÷ ۲ سموئیل ۲۳ - ۲ ÷ ۱ تواریخ ۲۸ - ۱۲ ÷ ۲ تواریخ ۱۵ - ۱ - لیکن اگر نیا عہد نامہ موجود نہ ہوتا تو صرف ان ہی مقامات سے روح القدس

کی شخصیت ظاہر نہ ہوتی مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیئے کہ یہ پہلا
کلیسیا اُسکو نہ جانتی تھی بلکہ انبیا کے صحائف سے صاف ظاہر ہے
کہ اُنکو مکاشفہ روح القدس کے وسیلے سے حاصل ہوتا تھا کم سے کم
خداوند مسیح اور اُنکے رسول روح القدس کا ایسا ذکر کرتے ہیں جس سے
معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُسکی شخصیت کو نئی بات نہ سمجھتے تھے بلکہ یہ کہ
یہودیوں میں یہ مشہور و مسلمہ بات تھی۔

یہاں یہ سوال آتا ہے کہ جب خود خدا روح کہلاتا ہے (یوحنا ۴۔
۲۴) تو تیسرے اقنوم کو خصوصاً کیوں روح کہیں۔ شاید اسکا جواب
تینوں اقانیم کے اندرونی رشتوں پر اور اُنکی بیرونی نجات کے کام
پر موقوف ہے۔

اگر لایدرک الٰہی ذات میں تیسرا اقنوم خدا باپ اور خدا بیٹے کے
درمیان ابدی رشتہ ہے اور جو محبت وہ آپس میں رکھتے ہیں اگر وہ
اقنوم اُسکا مرکب ہے تو روح جسکے اصلی معنی سانس ہیں اُسکا مناسب
لقب ہے پھر اگر نجات کے بارہ میں اُسکا یہ کام ہے کہ باپ کی مرضی
اور محبت کو اور بیٹے کے کام و زندگی کو آدمی کے دل پر نقش کر دیتا ہے
اور خود اُن آدمیوں کی روحانی زندگی ہوتا ہے تو اُسے روح کا لقب سجتا
ہے۔ مخفی نہ رہے کہ اِس جہان کے پیدا کرنے میں روح القدس نے خاص
حصہ لیا پیدائش ۱۔۲ و مزمور ۱۰۴۔ ۳۰ و ۳۳۔ ۶۔

یہ بھی یاد رہے کہ جیسے فضل کے علاقہ میں ویسے ہی اسباب موجودات
میں بھی یعنی کلمۃ اللہ روح کے ذریعہ سے زندگی کا چشمہ ہے۔

کہ میری نئی پیدائش پاکیزگی اور مسیح کے ساتھ اتحاد اُسی روح پر منحصر ہے جو نہ صفت ہے بلکہ ایک ایسا شخص ہے کہ خود محبت اور مہربانی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

روح القدس کے **صادر** ہونے کے بارہ میں بہت مباحثہ ہوا جس کا ذکر آگے ہوگا۔ اس موقع پر جہاں تک متبرک خدا کی ذات سے متعلق ہے اسکا لحاظ کریں۔

(الف) یہ لفظ صادر ہونا یعنی نکلنا یوحنا ۱۵-۲۶ میں پایا جاتا ہے "روح حق جو باپ سے نکلتا ہے" جس یونانی لفظ کا یہ ترجمہ ہے وہ بیٹے کے بارہ میں کام نہیں آتا۔ اور روح القدس سے خاص طور سے مخصوص کیا جاتا ہے۔ ضرور روح القدس کا صادر ہونا ازل سے ہے ورنہ خدا کی ذات میں تغیر ماننا لازم آتا۔ تاہم وہ **صادر** ہوتا ہے ورنہ وہ علیحدہ خدا ہوتا ہے۔ اس صادر ہونے کا طریقہ عقل کی رسائی سے پرے ہے۔

(ب) خدا باپ اور خدا بیٹے سے **صادر ہوتا** ہے۔ اس تعلیم کا سراغ آگے لگایا جائیگا۔ اس وقت تعلیم ہی کا لحاظ کریں۔ اس تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ روح القدس کی ذات الٰہی ہے نہ صرف اس سبب سے کہ وہ باپ سے صادر ہوتا ہے بلکہ اس سبب سے بھی کہ وہ خدا بیٹے سے صادر ہوتا ہے۔ اسکی تائید ذیل کی آیات سے ہوتی ہے رومیوں ۸-۹- "مسیح کا روح" گلتیون ۴-۶۔ ۱ پطرس ۱-۱۱ "بیٹے کا روح" اور نیز خدا کا روح اور باپ کا روح کہلاتا ہے اور روح کا کام ایک طرح سے مسیح

کے کام سے دوسرے درجہ پر ہے۔ "وہ مسیح پر گواہی دیتا ہے۔" "مسیح کی بزرگی کرتا ہے"۔ اب ظاہر ہوگیا ہے کہ ثالوث کے کام اُنکے باہمی رشتوں پر موقوف ہیں۔ پس "جسے مسیح نے بھیجا" (یوحنا ۱۵-۲۶) اور جو نجات کے انتظام میں مسیح کا روح کہلاتا ہے (۱ پطرس ۱-۱۱) اُسکے بارہ میں یہ سمجھنا چاہیئے کہ اُسکے اور مسیح کے درمیان صدور کا رشتہ ہے تاہم یہ کہنا نہیں چاہیئے کہ وہ صرف بیٹے ہی سے صادر ہوتا ہے۔ کیونکہ خود بیٹا باپ سے ہے اور یہ صفت کہ خدا بیٹا ایک طرح سے روح القدس کا مصدر ہے خدا باپ ہی سے ہے۔

کیا یہ مناسب نہیں کہ جو مسیح پر گواہی دیتا اور اُسکی بزرگی کرتا ہے نہ صرف اُسکا پیغامبر ہو بلکہ مسیح سے ایسا ازلی تعلق بھی رکھے جیسا ندی کا چشمہ سے ہوتا ہے۔

(۲) روح القدس کا کام

(الف) اسباب موجودات میں پیدایش ۱-۲، ایوب ۲۶-۱۳ وغیرہ جیسا پہلے ذکر ہوا۔ المختصر سب کچھ خدا باپ سے خدا بیٹے کی معرفت روح القدس کے وسیلے سے ہے مکاشفہ ۴-۱۱ یوحنا ۱-۳ فلپیون ۱-۱۷، پیدایش ۱-۲، ایوب ۲۶-۱۳۔

(ب) انسان کے بارہ میں روح القدس صانع ہے ایوب ۳۳-۴، ۳۲-۸، پیدایش ۲-۷۔ لیکن مکاشفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کے بارہ میں۔ اُسکا خاص، کام اخلاقی، روحانی، اور فوق العادت ماتوا ہے

۶-۳ سے شاید یہ پتا لگتا ہے کہ روح القدس عام طور سے ہر فردِ بشر
کے دل پر اثر کرتا ہے - عہدِ عتیق میں مسیح کا زمانہ جسقدر نزدیک آتا جاتا
ہے اُسقدر پیشینگوئیاں زیادہ صاف ہوتی جاتی ہیں اور خصوصاً اِس
بات کا ذکر کرتی ہیں کہ روح القدس سارے بشر پر نازل ہوگا یوایل ۲
۲۸ ۔ اِس لفظ بشر سے معلوم ہوتا ہے کہ سارے بنی آدم مراد ہیں اور
نئے عہدنامہ کے مطابق (اعمال ۲-۱۶ سے ۲۸) پنتکوست کے دن یہ
پیشینگوئی پوری ہوئی - جب مختلف زبانوں کے آدمیوں نے انجیل کو
قبول کیا اور روح القدس عام کلیسیا کا ہادی ہونے لگا - البتہ یہ آغاز ہی
تھا کیونکہ وقت آئیگا کہ "سارے جہان کو سراسر یاد آئیگا اور وہ خدا
کی طرف رجوع لائینگے" (زبور ۲۲-۲۷ ؛ خدا نے جو اپنا فضل ایک وقت
محدود کردیا اُس سے پتا نہیں لگتا کہ وہ ہمیشہ محدود رہیگا - لیکن یاد رکھنا
چاہیئے کہ ایسی پیشینگوئیاں اِس بات کی طرف اشارہ نہیں کرتی ہیں
کہ ضرور ہر شخص پر روح القدس کی تاثیر کارگر ہوگی بلکہ اسکی طرف کہ
ہر ملک میں بعض اشخاص پر ایسی تاثیر ہوگی کہ وہ مسیح کی حقیقی کلیسیا
میں شامل ہوجائینگے -

اُسیطرح سے یوحنا ۱۶ - ۸ سے ۱۱ تک - وہاں لکھا ہوا ہے کہ روح القدس
"آن کر دنیا کو گناہ سے اور راستی سے اور عدالت سے تقصیروار ٹھہرایگا"
اِس سے یہ مراد نہیں کہ کئی زمانوں میں روح القدس نئے طور سے ہر
فردِ بشر کے دِل پر اثر کرتا ہے کیونکہ جس کام کا یہاں ذکر ہے وہ مسیح
سے خاص تعلق رکھتا ہے اور صرف کلیسیا ہی کے حلقہ میں محدود

ہے۔ اس مقام میں "دنیا" سے انسان مراد ہے یعنی نوع انسان نہ کہ جدا جدا ہر فرد۔

یہ بتانا ہمارا کام نہیں کہ روح القدس کی تاثیر کیسی اور کتنی ہوتی ہے جہانتک منکشف ہوا ہے وہاں تک کہہ سکتے ہیں۔ لیکن یہ منکشف نہیں ہوا ہے کہ روح القدس کی سب سے اعلیٰ تاثیر بعضوں پر کارگر ہوتی ہے۔

کیا حالتِ عالم میں بھی روح القدس کی ایسی تاثیر ہوتی ہے کہ وہ توبہ کریں اور رجوع لائیں؟ بعض ایسا خیال کرتے ہیں۔ اور البتہ اگر ہمیں یہ خبر ملتی کہ جو لوگ بغیر توبہ کئے مرگئے انکے لئے کچھ امید باقی ہے تو بڑی خوشی کی بات ہوتی لیکن ہمیں بہت خبردار ہونا چاہیئے کہ کہیں ایسی تسلی کی خبریں نہ مان لیں جو مقدس نوشتوں کی عام تعلیم کے خلاف ہوں ہمارے نزدیک مذکورہ بالا رائے ایسی بےبنیاد بات ہے۔ جیسا ہم نے پہلے ذکر کیا یہ رائے ۱پطرس ۳-۱۹ و ۲۰ (اور شاید ۴-۶) کی خاص تفسیر پر بنی ہے۔ مقدس نوشتوں کے ایک دو مقامات سے ایسا نتیجہ نہیں نکالنا چاہیئے جو باقی مقامات کے خلاف ہو۔ خدا کے غضب کے بارہ میں مبالغہ نہ کریں بلکہ اُسکی عدالت رحمت اور محبت کا پورا لحاظ کریں لیکن ہم گنہگار آدمیوں کو چاہیئے کہ بڑے احتیاط سے گناہ کو نہایت کریہ جانیں اور خدا کی شریعت کے دعاوی کو بہت بھاری سمجھیں جیسے رومیوں ۲-۱۴ و ۱۵ و ۳-۱۹۔ خصوصاً ہم میں سے ہر ایک آدمی اپنی بابت یہ احتیاط کرے اور مقدس نوشتوں کی ہدایت پر چلے۔

طرح سے نادیدہ سمجھنا چاہیئے۔ ایک طرح سے اسکا ظاہری انتظام ہے جسے
آدمی دیکھ سکتے ہیں دوسری طرح سے ایسی جماعت ہے جنکی بابت خدا ہی کو معلوم
ہیں اور جیسکے شرکا سب حقیقی مسیحی ہیں (ھوکر کلیسیائی انتظام جلد سوم باب اول)

دیدہ ظاہری کلیسیا میں روح القدس کی تاثیر مقدس نوشتوں اور دین
کے خادموں کے کام سے خاص تعلق رکھتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نہ
مقدس نوشتوں کے مطابق اور نہ تجربہ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ظاہری جماعت
میں شریک ہونے سے ضرور یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہر شخص کو روح القدس سے
نئی زندگی ملتی ہے۔ لیکن تو بھی جماعت کے لحاظ سے روح القدس عموماً
ظاہری کلیسیا میں خاص تاثیر کرتا ہے۔ خدا کے کلام اور ساکریمنٹ کے
ذریعہ ربط وضبط سے اور نور قلب کو اسقدر منور کرنے سے کہ خواہ ہر ایک
شخص میں حقیقی زندگی ہو یا نہ ہو ساری جماعت مسیحی کہلا سکتی ہے۔
لیکن مخفی نہ رہے کہ یہ روح القدس کی سب سے خاص اور اعلیٰ تاثیر
نہیں۔ ہاں یہ اُسی قسم کی تاثیر ہے جو ظاہری کلیسیا کے باہر کے لوگوں
پر ہوتی ہے۔

اگر نادیدہ باطنی کلیسیا کا لحاظ کریں یعنی اُس جماعت کا جسکا ہر شخص
خدا کی نظر میں حقیقی عضو ہے۔ اور جو کل کی کل "مسیح کا مجازی بدن
یعنی سارے ایمانداروں کی مبارک جماعت ہے" تو روح القدس کا کام
بہت صاف ہے اور اُسکا زیادہ مفصل بیان آگے ہوگا۔

ہر **فرد** کے بارہ میں۔ اصل میں ہر فرد روحانی طور سے مُردہ ہے۔
اور خدا سے دور ہے۔ یہ نہ صرف اُن لوگوں کے لئے درست ہے جو کلیسیا

سے باہر ہیں بلکہ اُنکے لئے بھی جو ظاہری کلیسیا کے اندر ہیں رومیوں ۸۔ ۱ سے ۱۱، ۱ یوحنا ۲۔ ۱۹۔ پس نئی زندگی کا بخشنے والا روح القدس ہے یوحنا ۳۔ ۸۔ اِس پیدایش کے درجے عموماً یہ ہیں۔

آپنے جرم کا قایل ہونا۔ ایمان اور اتحاد۔

(ا) اپنے جرم کا قایل ہونا۔۔ یوحنا ۱۶۔ ۸ و ۹ ۔ روح القدس گناہ سے راستی اور عدالت سے تقصیروار ٹھہرائیگا (یا قایل کریگا) جب آدمی کا دل یہ پہچانتا ہے کہ نہ صرف گناہ میں معمولی کمابلی اور سزا کی قابلیت ہے بلکہ یہ بھی کہ خدا کے نزدیک گناہ کیسی مکروہ چیز ہے تو یہ روح القدس کی تاثیر سے ہے۔ جسطرح آدمی کی حالت متفرق ہوتی ہے اُسیطرح اِس کام کے آثار متفرق ہوتے ہیں۔ کوئی کسی وقت اپنے گناہ کو محسوس کرتا ہے اور کوئی کسی وقت۔ ہاں یہ بھی سچ ہے کہ گناہ کی یہ پہچان آخر تک رہے گی لیکن یوحنا ۱۶۔ ۸ و ۹ سے ظاہر ہے کہ خدا کے سامنے یہ رجوع لانے کا پہلا درجہ ہے۔

مخفی نہ رہے کہ روح القدس کا یہ کام بہت اہم ہے کیونکہ مثلاً بزاجی

کام پر توجہ نہیں کرتے۔ اور ماسوا اِسکے مقبولیت اور روحانی زندگی کا پورا لحاظ نہیں کرتے ہیں۔ جسطرح سے متی ۱۳۔ ۲۰ و ۲۱ میں لکھا ہے کہ جو بیج پتھریلی زمین پر بویا گیا اُسکا بڑھنا چند روزہ ہے۔

حال ہوسکتا ہے کہ آدمی [illegible] لیکن [illegible] کی

۵-۱۴ ۔ بیدار ہونا نئی زندگی سے خاص متعلق ہے لیکن خود بخود وہ
نئی زندگی نہیں ہے۔ اگر خدا کی رحمت ہم پر نہ ہوتی تو ہم باوجود اپنے
گناہ کو پہچاننے کے زندگی تک نہ پہنچتے۔ اسیطرح سے نئی زندگی کو قبول
کرنے کے بعد مسیح سے اتحاد ضرور ہوتا ہے فلپیوں ۳-۴ :: ۱ یوحنا ۵-
۱۱ و ۱۲ یوحنا ۶-۴۰ :: ۵-۲۵- وہ اپنے آپ کو بالکل مسیح پر چھوڑتا ہے
۲ تمطا ۱ ۱۲ جو یہ کرتا ہے وہ کتاب مقدس کے مطابق خدا کے سامنے
نہ صرف معافی یافتہ بلکہ مقبول شدہ ٹھہرتا ہے رومیوں ۴-۲۳ و ۲۵ ::
۵-۱ :: لیکن اس تعلق کا لب لباب یہ ہے کہ وہ مسیح سے اتحاد حاصل
کرتا ہے ایسا کہ مسیح اُسکا سر ہوجاتا ہے۔ اِس اتحاد کا وسیلہ ایمان ہے
اور ایمان کو سب جانتے ہیں کہ وہ بھروسہ اور تکیہ کرتا ہے۔ آدمی خدا
کے وعدوں پر تکیہ کرتا ہے لیکن اس ایمان کے نتائج اُسکے موضوع کے
سبب سے عجیب ہیں۔ وہ موضوع مسیح ہے جو نئے عہد کا ضامن ہے۔
جو روح کی ہدایت سے خدا بیٹے پر ایمان لاتا ہے وہ نہ صرف مسیح کے پاس
آتا ہے بلکہ اُسکے ساتھ "ایک روح" ہوا ہے۔ ۱ قرنتی ۶-۱۷-
"وہ اُس میں" ہے۔ ۱ یوحنا ۵-۲۰ :: یوحنا ۶-۵۶ :: ۱ قرنتی ۱-۳۰
:: ۲ قرنتی ۴-۱۰ و ۱۱ :: یوحنا ۱۴-۱۹ :: اس رشتہ کی تشبیہیں مقدس
نوشتوں میں اُس تعلق سے ظاہر کی جاتی ہیں جو بدن اور اُس کے
اعضا میں ہے اور انگور اور اُس کی شاخوں میں ہے افسیوں ۴-
۱۵ و ۱۶ :: یوحنا ۱۵ ۱-۵ :: ۲ قرنتی ۵-۱۷-
یہ عجیب لیکن حقیقی رشتہ نئی روحانی زندگی کی بنیاد ہے جو مسیح

کے ساتھ ایک ہوتا ہے اُسکا حق ہے کہ جو کچھ مسیح میں ہے اُسے اپنا سمجھے جہانتک مسیح مقبول ہے وہانتک وہ شخص بھی مقبول ہے - آدم ثانی اور بدن کے سر کی خوبیاں اُسی کی ہیں ہاں اُسنے نئے اِنسان کو گویا پہن لیا - افسیون ۴ - ۲۴ ۰۰ کلسیون ۳ - ۲۷ - یہ عمدہ نتائج ایمان ہی سے ہوتے ہیں - لیکن یہ سب روح القدس کے نتائج بھی ہیں - (اول) کیونکہ وہ ایمان کا بانی ہے - ۲ قرنتی ۴ - ۱۳ - یہ روح کی ہدایت سے ہے کہ آدمی مسیح کو دیکھتا اور قبول کرتا ہے (افسیون ۲ - ۸ ۰۰ فلپیون ۱ - ۲۹ ۰۰ ۲ پطرس ۱ - ۲) (دوم) روح صرف الگ اُستاد کیطرح یہ نہیں کرتا بلکہ اپنے نام کے مطابق آدمی کے دِل میں آکر نئی پیدائش کا وسیلہ بنجاتا ہے یوحنا ۳ - ۸ ۰۰ کلیتون ۵ - ۲۵ - وہ آدمی کی روح سے خاص طور سے متعلق ہوجاتا ہے رومیوں ۸ - ۲۶ و ۲۷) - اور اِسیطرح سے آدمی "روحانی" ہوجاتا ہے (ا قرنتی ۲ - ۱۴ و ۱۵) -

جب ہم اُس تاثیر پر غور کریں جو روح القدس کے ذریعے سے مسیحی شخص میں ہوتی ہے تو ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ نجات کے کام میں اور مسیح کے روحانی بدن کے بارہ میں روح القدس اور مسیح کا خاص تعلق ہے جیسا ہمنے ذِکر کیا ہے کہ بلحاظ ذات کے اِن دونوں میں کیا تعلق ہے ویسا ہی یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ بیٹے کے مجسّم ہونے اور مخلصی حاصل کرنے کے کام میں روح القدس بھی شریک ہے (لوقا ۱ - ۳۵ متی ۳ - ۱۶ ۰۰ لوقا ۴ - ۱ ۰۰ لوقا ۴ - ۱۴ و ۱۸ ۰۰ یوحنا ۳ - ۳۴ ۰۰ عبرانیوں ۹ - ۱۴ رومیوں ۸ - ۱۱ ۰۰ اعمال ۱ - ۲ ۰۰ مکاشفہ ۲ - ۷ ۰۰ ۱۱ و ۱۷ و ۲۹ وغیرہ -

کو طاقت دی کیونکہ انسانیت کے لحاظ سے مسیح نے فی الواقع اس سے طاقت حاصل کی اور مذکورہ بالا نظائر سے ظاہر ہے کہ مسیح کی انسانی زندگی اسکی الہی قدرت پر نہیں بلکہ روح القدس کی سنبھالنے والی قدرت پر منحصر تھی۔ تو بھی یہ خیال نہ کریں کہ روح القدس کی جس تاثیر سے مسیح پیدا ہوا وہ جسمانی طریقہ پر تھی۔

ان دو محاوروں سے کہ ایماندار بھی "روح سے پیدا ہوا" اور خدا بیٹے کو رکھنے سے زندگی رکھتا ہے (یوحنا ۳-۸ + ۱ یوحنا ۵-۱۲) ظاہر ہے کہ اُسکا جو اتحاد مسیح سے ہے وہ روح القدس کے وسیلے سے ہے۔ یہ اتحاد سراسر روحانی ہے۔ کسیطرح مادی نہیں۔ یہ روحانی ہے لیکن حقیقی اور غیر مجازی۔ اگرچہ اسکا طریقہ احاطۂ خیال سے باہر ہے لیکن بات یہ ہے کہ آدم ثانی کی زندگی ہم میں ہے اس باعث کہ وہ روح کے وسیلے سے ایمان لاتا ہے اور وہ روح سر اور اعضا دونوں میں موجود ہے۔ رومیوں ۸-۱۱۔

اگر ٹھیک طور سے بیان کرنا چاہیں تو یہ کہنا پڑیگا کہ اصل میں خدا بیٹا ہماری زندگی ہے اور روح ہماری زندگی کا وسیلہ ہے (افسیوں ۱-۲۰ سے ۲۳ تک + ۱ کرنتھی ۶-۱۷ + ۱۱-۳ + فلپیوں ۳-۴)۔ تاہم اگرچہ مسیح ہماری زندگی ہو تو بھی ہماری شخصیت جاتی نہیں رہتی (گلتیوں ۲-۲۰ + ۵-۲۵ + ۱ کرنتھی ۳-۱۶ + افسیوں ۳-۱۶ و ۱۷ + رومیوں ۸-۹ سے ۱۱ + ۱ پطرس ۱-۲ + ۱ کرنتھی ۱-۳۰)۔

(۳) روح کا کام منور کرنا اور گواہی دینا ہے۔ یہ منور کرنا سرنو

پیدا کرنے سے خاص تعلق رکھتا ہے اُن بچوں سے قطع نظر کرکے جو ہوش سنبھالنے سے پیشتر مر جاتے ہیں - ظاہر ہے کہ نئی پیدائش مسیح پر ایمان لانے سے ہے اور روح القدس بالخصوص ایمان کی روح ہے (۲ قرنتی ۴ ۱۳) اور اِسطرح سے پختہ ایمان پیدا کرتا ہے کہ آدمی پر خدا بیٹے کو ظاہر کر دیتا ہے گلتیون ۱-۱۶ ÷ یوحنا ۶-۴۰ ÷ ۱۵-۲۶ ÷ ۱۶-۱۴ ÷ اعمال ۱۶-۱۴ ÷ ۱ قرنتی ۱۲-۳ -

(۴) روح القدس کا کام آزادانہ اور خودمختارانہ ہے - یوحنا ۳-۸ ÷ ۱ قرنتی ۱۲-۱۱ ÷ یوحنا ۵-۲۱ ÷ یعقوب ۱-۱۸ - اگر ان مقامات کا لحاظ کریں تو ہم یہ نہ کہہ سکینگے کہ روح القدس کی تاثیر ساکرمینٹوں سے محدود ہے - ساکرمنٹیں تو نہایت ضروری ہیں لیکن وہ سب سے معمولی وسایل نہیں ہیں کیونکہ مسیح اس بات پر زور دیتا ہے کہ روح کی صفت آزادگی ہے یوحنا ۳-۸ -

روح القدس کی آزادگی کتنی ہی کیوں نہ ہو لیکن وہ کامل حکمت اور محبت کی پابند ہے - نئی پیدائش سے لیکر کامل پاکیزگی تک روح القدس آدمی میں اِسطرح ایمان بڑھاتا ہے کہ مسیح کو جو ایمان کا موضوع ہے اُسپر زیادہ زیادہ ظاہر کرتا جاتا ہے اور اُسپر یہ ثابت کرتا ہے کہ ایسے شخص پر ایمان لانا بالکل معقول ہے کیونکہ مخفی نہ رہے کہ اگرچہ مسیح پر ایمان لانا ایک فوق العادت تاثیر سے ہے کیونکہ گنہگار آدمی خداء اقدس پر توکل کرنے سے حذر کرتا ہے تو بھی اگر آدمی ہی کی عقل کا لحاظ کیا جائے تو [illegible]

رومیوں ۸ = ۱۲ + ۱۱ اور اپنی الہامات کرتا ہے + ۱ کرنتھی ۲ = ۹ ، ۱۰ + ۱۱
خدا کے بھیدوں کو اُن پر ظاہر کرتا ہے - ۱ یوحنا ۲ = ۲۰ ، ۲۷ - یوحنا ۱۶ - ۱۳
باتوں میں سچائی کی طرف راہنمائی کرتا ہے + رومیوں ۸ = ۱۶ + ہماری روح کے ساتھ وہ گواہی دیتا ہے کہ "ہم خدا کے فرزند ہیں"۔

وہ ۱ پطرس ۱ - ۱۱ میں "نبیوں میں مسیح کی روح" کہلاتا ہے - ۱ وہ

وہ مقدس نوشتوں کا حقیقی مصنف ہے اعمال ۱ = ۱۶ + ۲۸ = ۲۵ + عبرانی ۳ = ۷ + ۱۰ = ۱۵ + ۹ = ۸ + ۲ پطرس ۱ = ۲۱ + ۲ تمطا ۳ = ۱۶ + مسیحی کلیسیا کی پہلی صدیوں میں مصنف الہامات پر بہت زور دیتے تھے مثلاً روم کا کلیمنٹس جو پہلی صدی میں زندہ تھا ۹۵ء = ۹۵ کا حوالہ دیکر کہتا ہے کہ یہ نبوت روح القدس کے ذریعہ سے مسیح کے بارہ میں ہوئی - وہی صاحب مسیحیوں کو یہ نصیحت دیتا ہے کہ "مقدس نوشتوں کا غور سے مطالعہ کریں - کیونکہ وہ روح القدس کے ہیں" پولوس کے بارہ میں بھی اسی طرح سے کہتا ہے کہ اُسنے الہام سے لکھا -

یسطین (دوسری صدی) کہتا ہے کہ عبرانی نبوت روح القدس کی کی خاص تاثیر سے تھی - وہ راستبازوں پر ایسی تاثیر کرتا تھا جیسی مضراب ستار پر -

انطاکیہ کا تھیوفلس کہتا ہے کہ مقدس نوشتے روح القدس کے اوزار ہیں

اتھینوس کہتا ہے کہ مقدس نوشتوں کے مصنف روح القدس کے مسکن تھے -

ترطلیان کہتا ہے کہ وہ مصنف روح القدس میں مستغرق تھے اور

اُنکی تصنیفات کو خدا کی تصنیفات کہتا ہے ۔

کُرِیان بارہا کہتا ہے کہ روح القدس شریعت اور انجیل میں کلام کرتا ہے ۔

اسکندریہ کا کلیمنس کہتا ہے کہ جو مقدس نوشتوں کو رَد کرتے ہیں وہ روح القدس کو رَد کرتے ہیں اور یہ کہتا ہے کہ کلیسیا کی یہ خاص تعلیم تھی کہ مقدس نوشتے خدا کے روح سے لکھے گئے ۔ علیٰ ہذا مقدس نوشتوں کا الہامی ہونا اِس بات پر منحصر نہیں ہے کہ اُنکے مصنف اپنے تئیں کہاں تک ملہم سمجھتے تھے ۔ لیکن یہ صاف امر ہے کہ "کلام اللہ" خواہ کسیطرح سے کیوں نہ لکھے گئے ۔ اُسکا کلام اور اُسکا حکم ہیں ۔ ہر مصنف کی ذاتی خصوصیتیں بھی اُنمیں نظر آتی ہیں لیکن وہ خود الہام دہندہ کو معلوم تھے جسنے اُنکو اپنے مقصد کے لئے استعمال کیا ۔ یعنی نہ صرف مصنف کی قلم اور آواز کو استعمال کیا بلکہ خود مُصنف کی ساری قابلیتوں اور حالتوں کو استعمال کیا ۔

ہم موسیٰ کی خاص صفات کو اُنکی تصنیفات سے معلوم کرسکتے ہیں اور اُسیطرح یرمیاہ اور پولوس کی صفات کو اُنکی تصنیفات سے ۔

اب ہم اُس کام کا ذکر کرینگے جو روح القدس حقیقی کلیسیا کی مجموعی جماعت میں کرتا ہے ۔ یہاں تک تو ہم نے سوچا ہے کہ ہر شخص کے بارہ میں اُسکا کیا کام ہے ۔ اور یہ درست ترتیب بھی تھی ۔ کیونکہ اگرچہ خدا کے آگے حقیقی کلیسیا حقیقی ایماندار سے مقدم ہے تاہم ہر شخص اِسی لئے از سرِ نو پیدا ہوتا ہے تاکہ وہ اس جماعت

خیال نہیں ہو سکتا اور نہ اُس کی مدد کرتا ہے۔
تاہم یہ نئی پیدائش سے تو پیدا شدہ جماعت کے انتظام سے متعلق ہے
پس مقدس نوشتوں میں روح القدس کے کام کا ایسا ذکر ہے کہ وہ سارے
بدن کے لئے اور اُس میں کام کرتا ہے مثلاً ا کرنتھی ۱۲-۴ سے ۱۳+
افسیوں ۴-۳ و ۴ + ۲ کرنتھی ۱۳-۱۴ فلپیوں ۲-۱، یہ ایسے مقامات
کا مطلب یہ ہے کہ روح القدس روحانی بدن کے ہر عضو میں اسطرح
سے کام کرتا ہے کہ جس سے سر کے ماتحت سارے بدن کا فایدہ نکلے۔
یہ اُسکی حکمت و تجویز کا نتیجہ ہے کہ نہ عضو کا فایدہ سارے بدن کے
فایدہ کے خلاف ہے نہ سارے بدن کا فایدہ عضو کے فایدہ کے خلاف۔
اُسکی "تاثیر" سے ہرایک عضو کا رشتہ جو سر سے ہے ایسا بلا واسطہ زندہ
اور موثر رہتا ہے کہ گویا اور کوئی عضو نہ ہوتا۔ اُسکی "تاثیر" سے بدن کی
یکتائی ایسی موزوں رہتی ہے کہ گویا اُس میں مختلف اعضا نہ تھے۔
(دیکھو گوڈ فرایڈے کے دن کی دوسری دعا)۔

چند خاص باتیں

(۱) روحانی نعمتیں (کرسمنا) عہد جدید میں مسیحیوں کے درمیان
چند فوق العادت طاقتوں کا ذکر ہے۔ مثلاً نہ صرف نبوت اور پیشینگوئی
بلکہ "زبانیں" بولنا۔ "چنگا کرنے کی نعمتیں"۔ یہ نعمتیں اہلِ روح القدس
کی بخششیں سمجھی جاتی ہیں (۱ کرنتھی ۱۲ باب)۔
اب یہ سوال لازم آتا ہے کہ کیا خدا نے یہ نعمتیں کام کے آغاز کے لئے

عارضی طور سے بخشی تھیں یا اُنکا ارادہ یہ تھا کہ ہر زمانہ میں ایمان کے وسیلے سے ملیں ؟ اِسکا جواب مشکل ہے اور مقدس نوشتوں سے صاف جواب نہیں ملتا ۔ لیکن بحیثیت مجموعی اُنسے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہ نعمتیں عارضی طور پر دیگئی تھیں ۔ اگرچہ یہ نعمتیں اکثر لوگوں کو ملتی تھیں (لیکن سبھوں کو نہیں) تاہم اعمال کی کتاب کے مطابق شاید ایک کو مستثنےٰ کرکے (اعمال ۱۰-۴۴ تا ۴۶) رسولوں کے ہاتھ رکھنے کے بغیر یہ نہ ملتی تھیں (اعمال ۸-۱۴ و ۱۵ + ۱۹-۶) مقابلہ کرو ا قرنتی ۱۳-۸ "اگر نبوتیں ہیں تو موقوف ہونگی اگر زبانیں ہیں تو بند ہوجائینگی"۔

(۲) **فضل** (خارس) کے معنوں کے بارہ میں :-

اِس لفظ سے ہمیشہ یہ مراد ہے کہ جو ملتا ہے وہ مفت ملتا ہے مثلاً کبھی اُس سے یہ مراد ہے کہ انجیل کے عہد کے مطابق گناہگار **مفت** مقبول ہوتے ہیں بمقابلہ ثواب کے (رومیوں ۱۱-۶ + افسیون ۲-۸ ، ۹) یا اُس سے محض خدا کی مفت مہربانی مراد ہے (۲ قرنتی ۸-۹) لیکن فضل سے اکثر یہ بھی مراد ہے کہ آدمی کی روح میں ایک خاص برکت یا نعمت کام کر رہی ہے (۲ قرنتی ۸-۷) یہاں بھی مفت برکت یا نعمت مراد ہے ۔ اگرچہ طریقے متفرق ہیں ۔ یہ فضل کیا ہے جو مسیحی آدمی کے اندر موجود ہے ؟ اِسکا یہ جواب دیکتے ہیں کہ خود لفظ سے اور مقدس نوشتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فضل کسی چیز کا نام نہیں ہے بلکہ طریقہ کا نام ہے مثلاً مقدسوں کے درمیان جو محبت اور صبر پایا جاتا ہے وہ خدا کی مفت بخشش سے ہے اور روحانی زندگی کی ایک صورت ہے

مرضی کے مطابق چاہیں اور عمل بھی کریں" (فلپیوں ۲ - ۱۳) ۳ کوئی
علیحدہ شئے نہیں جو خدا سے الگ کر آدمی میں آئی ہو - یہ خود خدا ہے جو خاص
مقاصد کے لئے آدمی کے دل میں اثر کرتا ہے - خصوصاً اس مقصد سے
کہ اسکی کلیسا گناہ سے مبرا اور اسکے بیٹے کی ہمشکل ہو جائے - پس
فی الواقع فضل سے یہ مراد ہے کہ روح القدس آدمی کے دل میں حاضر
ہے اور اسپر مسیح کو ظاہر کرتا ہے اور اسکے ذریعے سے اوروں پر -

(۳) عہدِ عتیق کے مقدسوں میں روح القدس کا کام :-

روح القدس کا جو کام مسیح کی پہلی آمد سے پیشتر ہوا اور جو پنتکوست
کے دن کے بعد ہوا ان میں کیا فرق تھا ؟ اسکا جواب آسان نہیں
ہے - شاید اسطرح سے بیان کرسکتے ہیں -

روح القدس زمانہ سلف کے مقدسوں کے نہ صرف ساتھ بلکہ انہیں
بھی تھا + ۲ قرنتی ۴ - ۱۳ میں لکھا ہے کہ " ایمان کی وہی روح ہم
میں ہے " - جب عہد جدید کے مصنف انکے ایمان کا بیان کرتے ہیں تو
وہ اس ایمان کو ہمارے ایمان سے کبھی ادنیٰ نہیں کہتے ہیں - مثلاً رومیوں
۱۰ - ۱۵ سے ۱۲ عبرانیوں ۱۱ - ۱۹ + یسعیاہ ۶۳ - ۱۱ میں ایسے
محاورے ہیں جو انجیل میں پائے جاتے ہیں اور ایماندار مسیحی اس زمانہ
کے مقدسوں کی زندگی کے نقشہ میں اپنی زندگی کا نقشہ دیکھتے ہیں
اور عہد عتیق کے ایمان کا نتیجہ اصل میں وہی نتیجہ ہے جو اب ایمان
سے نکلتا ہے - توکل علی اللہ اس وقت بھی خدا کے ساتھ اتحاد
پیدا کرتا تھا - ہاں اس خدا کے ساتھ جو نئے عہد اور آنے والے

مسیح کا خدا تھا۔ پس روح کا کام جو مقدسوں میں ہوتا ہے وہ ایک ہی قسم کا ہوتا چلا آیا ہے۔ عہد عتیق کے بزرگوں کا رشتہ روح القدس کے ذریعہ سے مسیح کے ساتھ فی الحقیقت اُس قسم کا تھا جیسا ہمارا ہے کیونکہ مسیح سبھوں کی زندگی ہے۔ جیسے ہم ویسے وہ بھی الٰہی ذات میں شریک ہوتے۔ از سرِ نو پیدا ہوئے (یسعیاہ ۶۳-۱۶ + ۶۶ - ۸)

پس ایک طرح سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ روح القدس پنتکوست سے پیشتر آچکا تھا اور اپنا مبارک کام دُنیا میں کرتا تھا بر عکس اِسکے عہد جدید سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح کے جلال پانے کے بعد روح القدس کا آنا ایک طرح سے نئی بات تھی۔ کیونکہ اسوقت سے لیکر اُسنے نیا قدم اُٹھایا اس تفاوت کا اِسطرح سے بیان کرسکتے ہیں کہ روح القدس کا کام نہ قسم میں بلکہ درجہ میں نیا تھا کیونکہ تواریخ جہان میں خدا بیٹا ظاہر ہوگیا تھا۔ یہ قابل لحاظ ہے کہ پنتکوست کے دِن روح القدس کے نزول کا نتیجہ یہ تھا کہ مسیحوں کو اپنے خداوند پر گواہی دینے کی خاص طاقت ملی۔ پس تعجب کی بات نہیں کہ اُنکی تاثیر نہ قسم میں بلکہ درجہ میں نئی تھی۔ تاہم اُنکی ترقی اِتنی تھی کہ گویا نئی قسم کی تاثیر ہوئی۔ یوحنا ۷ - ۳۹ - ۴ - ۱۷ -

اگرچہ خدا آدمیوں سے حسب الزمانہ سلوک کرتا ہے تاہم اصل میں خدا کے آگے سب زمانے یکساں ہیں اِسلئے ایک طرح سے مسیح اپنے عہد عتیق کے برگزیدوں کی زندگی اپنی موت سے پیشتر تھا اور ایک طرح سے "موعود" پس از تکمیل زمانہ حاصل ہوا۔

روح القدس کے بارہ میں تعلیم کا سُراغ

عہد جدید میں مسیح نے روح القدس کا نام خدا باپ اور خدا بیٹے کے نام کے ساتھ ملایا (متی ۲۸ - ۱۹) اور یوحنا ۱۴ و ۱۵ و ۱۶ بابوں میں اُسنے اُسے شخص ظاہر کیا۔ پہلی صدی میں روم کا کلیمنس اُسی طرح سے کہتا ہے کہ "خدا باپ زندہ ہے اور خداوند یسوع مسیح زندہ ہے - اور روح القدس"۔

اگناطیوس کہتا ہے کہ "مسیحی لوگ خدا بیٹے میں خدا باپ میں اور روح القدس میں ہیں"۔ گناسٹک تعلیم میں روح القدس کا ذکر ہے اگرچہ وہ ذکر مقدس نوشتوں کی تعلیم سے متفرق ہے تاہم وہ لوگ جسطرح سے مسیح کو شخص مانتے تھے اُسیطرح سے روح القدس کو۔ ہم اسکا انکار نہیں کرتے کہ بعض مسیحی مصنفوں کی تعلیم روح القدس کے بارہ میں غلط تھی مثلاً "ہرماس کے چوپان" میں روح القدس اور خدا بیٹا ایک ہی سمجھے گئے ہیں -

یُسطین شہید اِسکے بارہ میں صاف بیان نہیں کرتا ہے اور کبھی یہ حال ہے کہ جو کام مقدس نوشتوں میں روح القدس سے منسوب ہیں انکو یہ مصنف خدا بیٹے سے منسوب کرتے ہیں۔ لیکن شاید ایک طرح سے یہ جائز ہے -

دوسری صدی کے اخیر اور تیسری صدی میں مصنف صاف طور

ہلاری اتوس کا اثر، ٹولیڈو کی، ٹولیڈو کی کونسلوں اور ہیلاری کی کونسلوں سے یہ تعلیم قائم ہوگئی۔

روح القدس کا باپ اور بیٹے دونوں سے صادر ہونا۔

اِس امر کے بارہ میں شک تھا کہ آیا روح القدس نہ صرف خدا باپ سے بلکہ خدا بیٹے سے بھی ازل سے صادر ہے۔ مغربی کلیسیا میں آگستین نے اِس رائے کی بڑی حمایت کی۔ اُسنے اِس بات پر خاص زور دیا کہ روح القدس خدا باپ اور خدا بیٹے کی باہمی محبت کا رشتہ ہے۔ مشرق میں لوگ دوسری طرف مائل تھے۔ اگرچہ اتھاناسیس نے تقریباً آگستین کی تعلیم اختیار کی تاہم اگلی صدی میں مشرقی کلیسیا نے اِسے رد کیا اور یہ کہا کہ روح القدس صرف خدا باپ سے نکلتا ہے۔

ہسپانیہ کے مُلک میں چند بدعتیوں کے خلاف آگستین کی رائے پر کلیسیا نے خاص زور دیا اور نقایا کے عقیدہ میں جو ہسپانیہ میں پڑھا جاتا تھا یہ الفاظ "اور بیٹے سے" بڑھائے گئے۔

آٹھویں صدی میں مغربی اور مشرقی کلیسیاؤں کی رایوں پر مباحثہ ہوا قیصر شارل اعظم نے چاہا کہ پاپا ان الفاظ کو رومی عقیدہ میں مندرج کرے لیکن پاپا نے نہ مانا آخرکار گیارھویں صدی میں اِس مباحثہ کے سبب سے مغربی اور مشرقی کلیسیاؤں میں سخت تفرقہ پڑا۔

[illegible] میں بعض لوگوں نے چاہا کہ پھر ملاپ کیا جائے لیکن فی الواقع یہ کوشش بے سود ٹھہری۔ ۱۰۵۴ء میں یونانی یعنی مشرقی کلیسیا کی طرف سے

ہلری اتوس کا گریگوری ، نیسہ کا گریگوری اور ہیلاسلال لی کوششوں سے صحیح
تعلیم قائم ہوگئی ۔

روح القدس کا باپ اور بیٹے دونوں سے صادر ہونا ۔

اِس امر کے بارہ میں شک تھا کہ آیا روح القدس نہ صرف خدا باپ سے بلکہ خدا بیٹے سے بھی ازل سے صادر ہے ۔ مغربی کلیسیا میں آگستین نے اِس رائے کی بڑی حمایت کی ۔ اُسنے اِس بات پر خاص زور دیا کہ روح القدس خدا باپ اور خدا بیٹے کی باہمی محبت کا رشتہ ہے ۔ مشرق میں لوگ دوسری طرف مائل تھے ۔ اگرچہ اتھاناسیس نے تقریباً آگستین کی تعلیم اختیار کی تاہم اگلی صدی میں مشرقی کلیسیا نے اِسے رد کیا اور یہ کہا کہ روح القدس صرف خدا باپ سے نکلتا ہے ۔

ہسپانیہ کے ملک میں چند بدعتیوں کے خلاف آگستین کی رائے پر کلیسیا نے خاص زور دیا اور نقایا کے عقیدہ میں جو ہسپانیہ میں پڑھا جاتا تھا یہ الفاظ " اور بیٹے سے " بڑھائے گئے ۔

آٹھویں صدی میں مغربی اور مشرقی کلیسیاؤں کی رایوں پر مباحثہ ہوا قیصر شارل اعظم نے چاہا کہ پاپا ان الفاظ کو رومی عقیدہ میں مندرج کرے لیکن پاپا نے نہ مانا آخرکار گیارہویں صدی میں اِس مباحثہ کے سبب سے مغربی اور مشرقی کلیسیاؤں میں سخت تفرقہ پڑا ۔

۱۴۳۹ میں بعض لوگوں نے چاہا کہ پھر ملاپ کیا جائے لیکن فی الواقع یہ کوشش بے سود ٹھہری ۔ سن ۱۰۵۴ء میں یونانی یعنی مشرقی کلیسیا کی طرف سے

انسان کے بارہ میں

(۱) اِنسان بحیثیت مخلوق
(۲) اِنسان بحیثیت گناہگار
(۳) انسان بحیثیت بحال شدہ

(۱) انسان بحیثیت مخلوق

مقدس نوشتوں میں انسانی ذات کی کوئی خاص تعریف نہیں کی گئی لیکن جسطرح خدا کے بارہ میں اُسیطرح اِنسان کے بارہ میں اُن میں چند اصول پائے جاتے ہیں جنکے ذریعہ سے ہم کسیقدر تعریف کرسکتے ہیں بشرطیکہ اوّل یاد رکھیں کہ اُنکے نزدیک اور خدا کی نظر میں اِنسان نجات کا محتاج ہے - دوّم یہ کہ اُنہیں جو رائے اِنسانی ذات کے بارہ میں پیش کی جاتی ہے اُسکے ساتھ یہ یاد رکھیں کہ خدا کی بابت اور اپنی بابت ہم بہت کم جانتے ہیں -

پیدائش ۱-۲۶ و ۲۷ و ۲-۷ سے ۲۵ سے ہم یہ سیکھتے ہیں کہ انسان کی تخلیق میں خدا نے خاص فکر اور قدرت خالقہ سے کام لیا - باقی مخلوقات زمین سے یا پانی سے نکلی (پیدائش ۱-۱۱ و ۲۰ و ۲۱)، لیکن ۲۴ آیت میں

لکھا ہے کہ خدا نے فرمایا کہ "ہم انسان کو اپنی صورت پر بنائیں" - اس محاورہ سے یہ بھی مترشح ہے کہ زمین کی دیگر مخلوقات کی نسبت آدمی خدا سے خاص رشتہ رکھتا ہے اور پھر خالق نے اُسے خاک سے بنا کر یہ بھی کیا کہ "اُسکے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا اسطرح سے وہ "جیتی جان ہوا"۔ اسکی بیوی اُسکے بدن کے مادہ سے خدا نے خالق کی مرضی سے بنائی گئی -

اسوقت ہم اس بات کی تحقیقات نہ کرینگے کہ ان بیانات کو کہاں تک لفظی طور سے ماننا چاہیئے ۔ اتنا کہنا کافی ہوگا کہ (متی ۱۹-۴ سے ۶ : ۱ تمطا ۲-۱۳ و ۱۴ : رومیوں ۵-۱۲ سے ۹ : ۱ قرنتی ۱۵-۴۵ سے ۴۹)

عہد جدید کے مصنف، انکو تواریخی ماجرے سمجھتے ہیں - اُنکے نزدیک جیسے مسیح ویسے آدم اول تواریخی شخص تھا (پیدائش ۲-۸ سے ۱۴) ۲ باغ عدن کا بیان لفظی معلوم ہوتا ہے ۔طرز عبارت سے ظاہر ہے کہ بہت باتوں میں مجازی مطلب بھی نکال سکتے ہیں مثلاً "خاک" سے ایسا مادہ مراد ہوسکتا ہے جو مقصد کے مناسب ہو اور "نتھنوں میں پھونکنا" سے یہ مراد ہے کہ خدائی مرضی کے مطابق یہ مادہ زندہ ہوا اور اسیطرح بیوی کے بن جانے میں دی قدرت ظاہر ہوئی جس نے روحوں کی تعداد بڑھا دی -

موجودہ زمانہ کے فلسفہ کا کچھ ذکر کرنا ضرور ہے - پہلے اس بات کو یاد رکھیں کہ پیدائش کے بیان کے مطابق جسکی تائید مسیح کرتا ہے (متی ۱۹-۴

ایسا ثبوت پیش کیا جائیگا کیونکہ مقدس نوشتے اسے مانتے ۔ ہاں البتہ زور
دیتے ہیں کہ اسباب موجودات میں روزافزوں ترکیب و ترتیب ترقی پر ہے
ان میں ایک نقطہ بھی ایسا نہیں جس سے ہم یہ نتیجہ نکالیں کہ آدمی کے بدن
کا مادہ وہی نہ تھا جس سے اسکے پہلے پیدا شدہ جانوروں کے بدن بنے ۔
تاہم وہ یہ کہتے ہیں کہ جب پہلا انسانی جوڑا بنگیا تو یہ سچ مچ ایک نیا قدم
تھا۔ حقیقی اصلی ترکیب شکستہ نہ ہوئی لیکن مادی عام ترکیب میں کچھ دخل
کیا گیا ۔ کیونکہ اس موقع پر وہ مخلوق ظاہر ہونے کو تھا جو نہ محض مادی ہو
بلکہ روحانی ہوکر اپنے خالق سے مشابہت، واقفیت، اور محبت رکھے ۔

علم الارض کی معلومات ابھی تردید بھی کر نہیں سکتیں یہ تو ثابت ہے
کہ جو سب سے قدیم زمانہ کے آدمیوں کی کھوپڑیاں پائی گئی ہیں وہ بھی سے
اعلیٰ جانوروں کی کھوپڑیوں کی نسبت دماغی حالت اور ترتیب میں زیادہ
اعلیٰ ہیں ۔ اس سے بھی بڑھکر یہ ثابت ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی خدا کی
محبت و اطاعت کے قابل ہے ۔ اس بارہ میں انسانی اور دیگر حیوانات میں
انتہا گڑھا ہے ۔

ایسے خاص مخلوق کا خاص آغاز ہونا [illegible] کے خلاف نہیں بلکہ مطابق ہے ۔
یہ بھی مخفی نہ رہے کہ اگرچہ [illegible] عالم لوگوں کی بعد وجہد
سے بہت مشہور ہوگیا ہے [illegible] کی تحقیقات میں
مرقد کے [illegible] کو چند
کر ان واقعات سے [illegible] ہیں تو وہ بڑی عزت کے

حلقہ سے باہر نکل آتے ہیں اور عام لوگوں کے برابر ہوجاتے ہیں اگر ایسے فیلسوف اس سبب سے کہ وہ بدن کے رگ و ریشہ کی ساخت سے خوب واقف ہیں یہ دعویٰ کریں کہ میری یہ رائے کہ قوت متخیلہ محض دماغ کی حالت ہے یا یہ کہ آدمی جانوروں سے نکل آیا ہے ضرور درست ہے تو وہ بیجا دعویٰ کرتا ہے کیونکہ خواہ اُنکی رائے درست ہو خواہ غلط ان نتائج کے بارہ میں اُسکا کوئی خاص علم نہیں ہے

آدمی کی قدامت کے بارہ میں ہم مانتے ہیں کہ کتاب مقدس کے پہلے بابوں کی تواریخ کی بابت بہت احتیاط کرنا چاہیئے - ہمارا مطلب یہ نہیں کہ وہ مجازی ہے یا غلط ہے لیکن وہ ایسے بیان میں پائی جاتی ہے جو اختصار و طرزِ کلام کے سبب سے مجازی معلوم ہوتا ہے اور اغلباً اُنکے حساب کرنے کا طریقہ ہنوز پورے طور سے نہیں جانتے تو بھی یہ سچ ہے کہ باقی خلقت کی نسبت مقدس نوشتوں کے مطابق آدمی بہت بعد معلوم ہوتا ہے حالانکہ بعض علم ارض کے فیلسوف کہتے ہیں کہ انسان کا آغاز لاکھوں برس پہلے ہوا لیکن خود عالموں کا اس بارہ میں اتفاق نہیں ہے - مثلاً اُن میں سے ایک مشہور علم ارض داں بنام سر ولیم تھامسن کہتا ہے کہ میرے نزدیک آدمی کا آغاز زیادہ سے زیادہ آٹھ ہزار برس پیشتر ہوا ہوگا -

بعض لوگوں نے وقتاً فوقتاً یہ رائے پیش کی ہے کہ نوع انسان مختلف منبعوں سے نکلی - لیکن آجکل عالم لوگوں کی تفتیش اُس رائے کی تائید

پیدائش ۱ - ۲۶ ؛ میں جس صورت کا ذکر ہے ۔ اس صورت سے کیا مراد ہے ؟ کیا یہ عقل ہے یا خدا کو پہچاننے کی قوت ! یا واقعی پاکیزگی یا غیر فنا پذیری یا دیگر مخلوقات پر حکمرانی ؛ موخر الذکر رائے غیر مکتفی معلوم ہوتی ہے اور واقعی پاکیزگی کے خلاف یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ گنہگار آدمی بھی "خدا کی صورت" پر کہلاتا ہے (پیدائش ۹ - ۶ ؛ یعقوب ۳ - ۹) -

ہمارے نزدیک اسکا سب سے اچھا جواب یہ ہے کہ اس صورت سے ہماری شخصیت مراد ہے یعنی وہ صفت جسکے سبب سے آدمی نہ صرف عقلی بلکہ اخلاقی طور پر فعل مختار ہے اور اپنے احاطہ میں اپنی آزاد مرضی کو پورا کرسکتا ہے جیسے خدا اپنے غیر محدود احاطہ میں اپنی مرضی پر چلتا ہے۔ بہایم کا یہ حال نہیں وہ نیکی و بدی میں امتیاز نہیں کرسکتے اور نہ ذمہ دار ہیں اور اپنے جذبات کے مالک نہیں بلکہ انکے غلام ہیں - اُن میں اختراع کا مادہ نہیں - انسان میں یہ سب صفات ہیں - اور اس سبب سے وہ خدا کو پہچان سکتا ہے کیونکہ اُسکے مشابہ ہے خدا جو ساری شخصیت کا اعلیٰ نمونہ ہے اُسنے آدمی کو اپنی خاص ذات کی صورت پر بنایا -

انسان کی فعل مختاری اُسکی عجب خاصیت کے سبب سے ایسی ہے کہ ہر ایک شخص اگرچہ سارے نوع انسان سے کیسا ہی خاص تعلق کیوں نہ رکھے اور اپنے باپ دادوں کی طبیعت پر کیسا ہی منحصر

کیوں نہ ہو تو بھی باوجود اِن سب کے خود مختار ذمہ وار فاعل ہے۔ ہرایک کا دِل اِسپر شاہد ہے۔ موروثی صفات کی طاقت کیسی زورآور کیوں نہ ہو ہرایک شخص کو خود اپنے واسطے نیکی و بدی کی عجیب لڑائی میں شامل ہونا پڑتا ہے کہ گویا موروثی صفات کو چھوڑ خالق نے ابھی اُسے بنایا ہے۔ موروثی صفات کا رشتہ اور ہر شخص کی فعل مختاری اگرچہ نقیض معلوم ہوں تاہم دونوں امور واقعی ہیں۔

اگر یہ بیان درست ہو تو یہ صورت انسان کی وہ اصلی پاکیزگی نہیں ہے جو جاتی رہی بلکہ وہ صفت ہے جو ہمیشہ قایم رہتی ہے خواہ وہ کیسی کیوں نہ بگڑ جائے۔ اور اُسکے سبب سے وہ مخلصی پانے اور نئی پیدائش کے قابل ہے باوجود اِس صورت رکھنے کے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آدمی گناہوں میں مُردہ ہے۔ ہاں وہ روحانی موت صرف ایسے ہی شخص کی ہوسکتی ہے جس میں خدا کی صورت ہو۔

کیا اِس صورت کے لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسان بذاتہ غیرفانی ہے یا نہیں؟ (متی ۲۵-۴۶۔ یوحنا ۳-۳۶۔ مکاشفہ ۱۴-۱۱۔ ۲۰-۱۰ و ۱۵۔ متی ۲۲-۳۱ و ۳۲)

ہوسکتا ہے کہ اخلاقی شخصیت کسی عجب طرح سے دائمی ہو گو روح کی ماہیت بذاتہ غیرفانی نہ ہو۔

اب ہم آدمی کی ذات کا کچھ بیان کرینگے۔ مقدس نوشتوں کے مطابق وہ تین اشیاء پر مشتمل ہے۔ بدن۔ جان۔ روح۔

مسکن ہے اور اسکے ذریعہ سے روح [illegible]
یہ نہیں لکھا ہے کہ وہ غیرفانی پیدا کیا گیا یعنی ایسا کہ اگر انسان گناہ نہ کرتا تو خدا کی مرضی کے بغیر خود بخود نہ مرتا۔ بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی مرضی یہ تھی کہ اگر آدمی گناہ نہ کرتا تو اُسکی ساری طبیعت غیرفانی رہتی پیدائش ۳-۲۲ ۔ خلاصی نجات پاکیزگی جیسے روح کے لئے ویسے بدن کے لئے ہیں لوقا ۲۴-۳۹ ۔ یوحنا ۲-۲۱ ۔ رومیوں ۸-۲۳ ۔ ۱ قرنتی ۶-۱۳ سے ۲۰ ۔ فلپیوں ۳-۲۰-۲۱ ۔ اسی طرح سے جو سزا ہوگی وہ بدن کو بھی ملیگی متی ۱۸-۸ و ۹ ۔ یوحنا ۵-۲۸ و ۲۹ ۔ ۱ قرنتی ۶-۱۸ ۔ آئندہ ابدی جلال کے لئے آدمی کو جنتی بدن ملیگا ۔ ۱ قرنتی ۱۵-۴۴ ۔ "روحانی بدن"۔

یہ بھی اس سے متعلق ہے کہ عدالت کے وقت "ہر ایک جو کچھ اُسنے بدن میں ہوکر کیا کیا بھلا کیا بُرا موافق اُسکے پائیگا" ۲ قرنتی ۵-۱۰ ۔ یہ بدن ایسا ہوگا کہ اُس میں ہماری گزشتہ نیکی و بدی ظاہر ہوگی ۔ ہاں اس سے پتہ لگتا ہے کہ روحوں کے عالم میں اصلاح کا موقع نہ ملیگا۔ چونکہ آدمی کا جسم ایسا اعلیٰ رتبہ رکھتا ہے تو تعجب کی بات نہیں کہ مسیح مجسم ہوا۔ اگر وہ مجسم نہ ہوتا تو پورے طور سے آدمی کا وکیل نہ ہوتا۔ اور یاد رکھیں کہ اسکا ذوالجلال بدن ابدی ہے ۔ فلپیوں ۳-۲۱ ۔ ان الفاظ روح، جان، نفس، کو لوگوں نے بہت طرح سے سمجھا ہے ۔ لیکن مقدس نوشتوں میں اُنکے کیا معنی ہیں؟ کیا انسانی ذات کے

دو متفرق غیرمادی حصے ہیں ؟ یا کیا آدمی کے دو پہلو ہیں ایسے کہ ایک سے جذبات اور ایک سے خالص عقل مراد ہے ؟ یا ایسے کہ جان کے ذریعہ سے دنیا اور آدمیوں سے ہمارا رشتہ ہے ۔ رُوح کے ذریعہ سے خدا سے ہمارا تعلق ہے ؟

لیکن مقدس نوشتوں میں یہ دو الفاظ اکثر ایک دوسرے کے لئے مستعمل ہیں تاہم وہ مترادف نہیں ۔ دونوں سے آدمی کی اندرونی ہستی مراد ہے لیکن دو طرح سے ۔ اگر آدمی کی اندرونی ہستی "روح" کہلائے تو وہ خدا کی بخشش سمجھی جاتی ہے اگر "جان" کہلائے تو وہ آدمی کی ملکیت سمجھی جاتی ہے ۔ یا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جان روح کا منتظم آلہ ہے ۔ لیکن ٹھیک طور سے انکی ماہیت متفرق نہیں اور اکثر ماجرے دونوں سے منسوب ہوسکتے ہیں ۔ لیکن عموماً اعلیٰ روحانی باتیں اور خصوصاً خدا کی روح کی باتیں انسانی روح سے منسوب ہوتی ہیں حالانکہ ادنیٰ باتیں مثلاً جذبات جان سے منسوب ہوتے ہیں ۔ اِس سے یہ بھی پتا لگتا ہے کہ انسانی شخص مرنے کے بعد کیوں رُوح کہلاتا ہے نہ کہ جان (لوقا ۲۳ - ۳۷ و ۳۹ ۔ عبرانی ۱۲ - ۲۳) اور یہ کہ کیوں دوسرے بے بدن اشخاص مثلاً فرشتے روح کہلاتے ہیں نہ کہ جان ۔

اِس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگرچہ ایک طرح سے انسانی ذات کے تین حصے ہیں دوسری طرح سے اور اصل میں دو حصے ہیں ۔

پس آدمی کو دو اجزا سے مرکب کہہ سکتے ہیں ۔ متی ۱۰ - ۲۸ لوقا

ہیں مفرد سمجھا جاتا ہے یعنی مجسم روح ۔ وہ افلاطون کی تعلیم کو نہیں مانتے یعنی اسے کہ انسان کی ذات میں خود بخود اور اصلاً متضاد عنصر ہے جو اعلیٰ عنصر کے ماتحت ہے ۔ جو نفاق آدمی میں ہے وہ گناہ کے سبب سے ہے نہ کہ ذات کے سبب سے ۔ انسان بذاتہ خدا کی کامل اور اچھی صنعت ہے بلحاظ خلقت ۔ بلحاظ گناہ ۔ بلحاظ فضل کے وہ مبغوض ہے ۔

جب مقدس نوشتوں میں آدمی کے دِل کا ذِکر آتا ہے تو کبھی اُس سے عقل کبھی نورِ قلب و جذبات یا مرضی مراد ہے ۔

یہ محاورے بھی آتے ہیں " باطنی انسانیت " رومیوں ۷ - ۲۲ ÷ ۲ کرنتھی ۴ - ۱۶ ÷ افسیوں ۳ - ۱۶ ÷ یہ عام محاورہ ہے لیکن عموماً سرِنو پیدا شدگان سے منسوب ہوتا ہے ۔

عقل رومیوں ۷ - ۲۳ و ۲۵ ÷ افسیوں ۴ - ۲۳ ÷ اس میں نہ صرف عقل بلکہ اخلاق بھی داخل ہیں ۔ لیکن عموماً اُن لوگوں کے بارہ میں مستعمل ہوتا ہے جو خدا کے فضل سے واقف نہیں ۔

کانشنس یعنی نورِ قلب ۔ نیکی اور بدی کی باطنی پہچان۔ بعض دفعات اس سے قصورواری مراد ہے ÷ عبرانی ۹ - ۹ و ۱۴ ÷ ۱۰ - ۲ و ۲۲ ۔

فعلِ مختاری یعنی آدمی اپنے حالات کا غلام نہیں کیونکہ وہ اپنے لئے نیکی یا بدی چن سکتا ہے اسلئے وہ ذمہ وار ہے ۔ مقدس نوشتوں میں اگرچہ اِسپر ہمیشہ زور دیا جاتا ہے کہ خدا کی مرضی حکمران ہے ÷ دانیال ۴

۴۵ + لوقا ۲۲ - ۲۲ + یوحنا ۱ - ۱۳ + اعمال ۲ - ۲۳ + ۴ - ۲۷ و ۲۸
+ رومیوں ۹ - ۱۹ + افسیون ۱ - ۱۱ + مکاشفہ ۱۷ - ۱۷) اور یہ کہ سارے
واقعات بلکہ ایک منشاء کو پورا کرتے ہیں تاہم اِن سارے واقعات میں
سے مشخص انسان کی آزاد مرضی ایک ہے۔ مقدس نوشتوں میں یہ ہمیشہ
تسلیم کیجاتی ہے خصوصاً جب خدا آدمیوں کی دعوت کرتا ہے (یرمیاہ ۔
۲۷ - ۱۳ + حزقیل ۱۸ - ۳۰ و ۳۱ و ۳۲ + یوحنا ۵ - ۴۰) آدمی کی
فعل مختاری اور خدا کی حکمران مرضی ہماری ناقص عقل کے سامنے ضدین
تو معلوم ہوتی ہیں لیکن مقدس نوشتوں سے بالکل واضح ہے کہ یہ دونوں
ٹھیک اور دینی تعلیم کے لازمی حصے ہیں ۔

یہاں اِس سوال کا بھی اچھا موقع ہے کہ آیا انسانی روح والدین سے
موروثی طور سے آتی ہے یا خدا کی مرضی سے آدمی کی پیدائش کے وقت
ہر ایک کو نئی ملتی ہے ؟ پہلی رائے سے موروثی گناہ کی تعلیم کچھ روشن
ہوتی ہے دوسری رائے ہر فرد بشر کی ذمہ داری سے اور بحیثیت مجموعی
مقدس نوشتوں سے زیادہ تائید پاتی ہے ۔ اِس رائے کی کہ ساری روحیں
شروع ہی سے موجود ہیں مقدس نوشتے کچھ تائید نہیں کرتے ۔

آدمی کی اصلی حالت

پیدائش ۲ - ۸ سے ۱۵ تک لکھا ہے کہ آدم اوّل کو خدا نے خوشنما
اور پُر امن جگہ میں رکھا ۔ اُسے کام دیا ۔ اور دوسرے غیر مشخص حیوانات

خدا کا انیس تھا اور اُسکو اپنا دوست اور باپ سمجھتا تھا لوقا ۳-۳۸
کوئی ادنیٰ عنصر روح سے سبقت لیجانے کی کوشش نہ کرتا تھا۔ اُسکی ذات
میں کچھ خدا کے برخلاف نہ تھا۔

جہاں تک مقدس نوشتوں سے معلوم کرسکتے ہیں اُس سے یہی پتا
لگتا ہے کہ یہ آدمی کی اصلی حالت تھی۔ اِسکی نسبت لوگوں کی اور مختلف
رائیں بھی ہیں۔

مقدس نوشتوں سے الگ ایک عام رائے یہ ہے کہ آدمی شروع
میں بہایم کے برابر یا اُن سے ذرا بڑھکر تھا اور یہ کہ رفتہ رفتہ اُسکی ترقی
ہوئی۔ لیکن اِسکے برخلاف بہت عام اعتراضات ہیں مثلاً انسان کی
بدنی کمزوری اور بے بال چمڑا۔ لیکن جو خدا کے کلام کو مانتے ہیں اُنکے لئے
یہ جواب کافی ہے کہ اُس میں انسان کی اصلی خوبی اور بزرگی تسلیم کی
جاتی ہے۔ آدم اگرچہ سادہ تھا لیکن وحشی نہ تھا۔ اگرچہ کامل نشو و نما نہ
پا چکا تھا لیکن شریف تھا جہان سے تو ناآشنا لیکن خدا سے آشنا۔

رومی کلیسیا میں اصلی آدمی کے بارہ میں خاص تعلیم ہے یعنی یہ کہ
جب وہ پیدا کیا گیا تو اخلاق کے لحاظ سے وہ نہ نیکی نہ بدی کی طرف مایل
تھا لیکن اُسکی ذات میں متضاد عناصر تھے۔ اور پھر کچھ آزمایش کے بعد
اُسکو ایک اعلیٰ نعمت ملی جسکے ذریعے سے وہ حقیقتاً پاک اور غیرفانی ہوگیا
یہی نعمت اُسکے پہلے گناہ کرنے کے وقت جاتی رہی۔ اب اُسکی حالت
پہلی حالت کی مانند ہے سواء اِسکے کہ وہ کسیقدر بدی کیطرف مایل ہوگیا ہے

یہ رائے مقدس نوشتوں کے مطابق نہیں ہے۔ یہ تعلیم ہماری ذات کی خوبی اور
اسکے گر جانے کی آفت کو گھٹاتی ہے۔ مقدس نوشتوں میں ایک طرح سے آدمی
کا ایسا ذکر ہے کہ وہ بالکل خدا پر منحصر ہے اور اسکا مخلوق ہے ہاں جیسے خاک کمہار
کے ہاتھ میں ویسے انسان خدا کے ہاتھ میں ہے لیکن دوسری طرف سے وہ خالق کا
سب سے اعلیٰ مخلوق ہے "خدا کی صورت اور اسکا جلال" ا قرنتی ۱۱-۷۔

مقدس نوشتے انسانی ذات کی کبھی تحقیر نہیں کرتے۔ گناہگار کی حیثیت
میں نہ کہ مخلوق کی حیثیت میں آدمی پر الزام لگانا روا ہے۔ اور گناہ کا
ہمیشہ ایسا بیان ہے کہ وہ انسان کی ذات میں نہایت نقص اور غیر طبعی
ہے۔ نہ یہ کہ اُس میں اسکی ذات طبعاً اپنی راہ لیتی ہے جس سے وہ
صرف تائید غیبی ہی سے بچ سکتی ہے۔ فی الجملہ مقدس نوشتوں کے مطابق
گناہ ایک ہولناک ابتری اور خلل ہے۔ چاہیئے تھا کہ وہ کبھی گناہگار نہ
ہوتا۔ جو کبھی مقدس نوشتوں کی پیروی کرتا ہے وہ کبھی آدم کے گرنے
کے نتائج کو خفیف نہ سمجھیگا۔ وہ گرنا ایسی بھاری بات ہے جیسا انسانی
ذات کا جلال پانا بھاری بات ہے۔

پس جب ہم انسان کے گر جانے پر غور کرتے ہیں تو ہمیشہ یاد رکھیں
کہ گرنے سے پیشتر آدمی کیسا اعلیٰ تھا۔ واعظ ۷-۲۹۔ یہ اعلیٰ زندگی
روح القدس کے ذریعے سے تھی۔ پس آدمی خدا کی صنعتوں کا سرتاج
اور اسکی صورت کا نقشہ ہوکر زمین پر ظاہر ہوا اور خود مشخص ہوکر مشخص
خدا کو جانتا ہے۔ نباتات اور حیوانات کی طرح بڑا مخلوق ہے لیکن خدا

آدم اوّل اور آدم ثانی کے درمیان یہ مشابہت بھی ہے کہ ایک طرح سے دونوں آدمیوں کے سر ہیں۔ آدم اوّل اخلاقی انسان کا سر تھا اور آدم ثانی روحانی انسان کا سر یعنی وہ ساری جنس کا گویا عطر ہے (رومیوں ۵۔ ۱۲ سے لیکر ۱ قرنتی ۱۵۔ ۲۲ و ۴۵ وغیرہ + افسیون ۴۔ ۲۲ سے ۲۴ + قلسیون ۳۔ ۹ و ۱۰۔

(۲) گناہگار اِنسان

اِنسان پر جو اصل میں پاک تھا۔ خدا کے ایک مشخص دشمن نے حملہ کیا خدا نے صرف ایک ہی بات کی ممانعت کی تھی اور انسان نے وہی کی عورت نے خدا کی محبت پر شک کیا (پیدائش ۳۔ ۴ سے ۶)۔ اور آدم نے اُس مخلوق عورت کی مرضی کو خدا کی مرضی پر ترجیح دی۔ (۱ تمطا ۲۔ ۱۴) پس اگرچہ اسکی ذات کے حالات یکساں رہے تاہم اُسکی زندگی کا قانون بدل گیا۔ اُسوقت سے لیکر خدا اُسکی زندگی کا مابدِ قانون نہ رہا۔ اسکی فعل مختاری اب سے لیکر محض نیکی (یعنی خدا کی مرضی) کی طرف مایل نہ رہے۔ نیکی اور بدی کی پہچان حاصل ہوتی (پیدائش ۳۔ ۵ و ۲۲) اِس سے پیشتر وہ واقف بھی نہ تھا کہ خدا سے نااتفاقی کسے کہتے ہیں اب اُسنے خدا کیطرح (پیدائش ۳۔ ۵) یہ بھی پہچانا کہ نااتفاقی ہوسکتی ہے۔ خدا جو عالم الغیب ہے بیشک یہ جانتا ہے مگر آدمی اپنے بڑے تجربہ سے اِسے پہچانتا ہے۔

بعض لوگوں کی یہ رائے ہے کہ یہ نیکی پہچان ترقی کا قدم تھا یعنی یہ کہ نیکی اور بدی کی پہچان آدمی کی ترقی کی ایک ضروری شرط ہے۔ البتہ یہ یہانتک سچ ہے کہ خدا کی رحمت نے آدمی کے گرجانے سے بھی عمدہ نتایج نکالے۔ اور اسکی ابدی تجویز میں یہ گرجانا نظرانداز نہ ہوا تھا۔ بلکہ اُس میں مسیح کے وسیلہ سے خدا کا جلال ظاہر ہونیوالا تھا لیکن باوجود اسکے مقدس نوشتوں کے مطابق آدمی کا گرجانا چونکہ اُسکی آزاد مرضی سے ہوا اسلئے ایک۔ ہولناک دہشت انگیز آفت سمجھا جاتا ہے پس آدمی کے لئے سے گناہ کا آغاز اسطرح سے ہوا۔ لیکن مقدس نوشتوں میں بدی کے اصلی چشمہ پر جو فی الواقع سارے بھیدوں کا چشمہ ہے پردۂ ظلمت پڑا رہتا ہے اُنسے ہمپر اُسکے بارہ میں کچھ روشن نہیں ہوتا اور ہماری عقل کبھی ادراک نہیں کرسکتی کہ کیوں قادر اوراقدس خالق کی خلقت میں ذرا سی بدی کو بھی گنجایش ہے۔ آدمی کی عقل نے بہت کوشش کی کہ اس بھید کو حل کرے. مثلاً آگستین نے کہا کہ بات یہ ہے کہ گناہ کچھ چیز نہیں بلکہ منفی نقص وغیرہ ہے لیکن فی الحقیقت اس جہان میں یہ ہمیشہ ہمارے لئے بھید رہیگا کیونکہ ہم نہیں کہہ سکتے ہیں کہ آدمی میں آزاد اور خودمختار پاکیزگی پیدا نہیں ہوسکتی بغیر اسکے کہ وہ گرنے کے قابل بھی ہو۔ خود خدا پورے طور سے پاک ہے اور آزاد خودمختار تاہم اُس میں گرنے کا شمہ تک نہیں۔

یہ تو درست ہے کہ گناہ ہے ہمارا دل، ہمارا تجربہ اسکا شاہد ہے اور یہ بھی سب جانتے ہیں کہ بذاتہ گناہ سزا کے قابل ہے اور یہ کہ خدائے اقدس

کسی نے یہ کہا ہے کہ ہر ایک بدعت اصل میں اِس سے پیدا ہوئی نہ
گناہ کا پورا لحاظ نہ کیا گیا (رومیوں ۷ - ۱۳) جو غلط تعلیمات برپا ہوئیں
وہ عموماً اِس بنا پر برپا ہوئیں کہ لوگوں نے گناہ کو خفیف سمجھا - وہ یہ
بھول جاتے ہیں کہ گناہ کے سبب سے گناہگار آدمی نے خدا پر اپنا سارا
حق کھو دیا -

یہ بھی مخفی نہ رہے کہ اگرچہ اِنسان گناہگار بن گیا تو بھی اُسکی
خودمختاری قایم ہے - اسکی ضمیر اور عقل اپنا اپنا کام کرتی ہیں اور ایسے
قابل ہیں کہ وہ خدا کی طرف کھینچا جائے - لیکن اُس گِر جانے کے
سبب سے اُسکا میلان خدا سے ہٹ گیا ہے وہ پورے طور سے گِرا
ہوا ہے کیونکہ اصل میں وہ بدی کو چُن لیتا ہے -

اِنسان کی اِس بُری حالت پر نہ صرف مقدس نوشتے بلکہ خود اِنسان
کا تجربہ گواہی دیتا ہے - اُن میں صاف لکھا ہے کہ سب کے سب
بگڑ گئے (۱ سلاطین ۸ - ۴۶ ؛ زبور ۵۱ - ۵ ؛ ۱۴۳ - ۲ ؛ یرمیاہ ۱۷
- ۹ ؛ متی ۷ - ۱۱ رومیوں ۳ - ۱۹ و ۲۰ ؛ افسیوں ۲ - ۱ سے ۳) -
نئی پیدائش کی ضرورت بھی اِسکی تائید کرتی ہے (یوحنا ۳ - ۳ ؛ رومیوں
۸ - ۵ سے ۸) - گناہ کا میلان جس سے عملی گناہ نکلتا ہے سارے نوع
اِنسان میں پایا جاتا ہے - کوئی آدمی اپنے آپ جتنی نیکی وہ جانتا ہے
اتنا نہیں کرتا ہے - کوئی اپنے آپ خدا تعالٰی سے پوری محبت نہیں
رکھتا ہے - یہ اگرچہ بڑا بھید ہو لیکن صاف واقعہ بھی ہے . گناہ کی عالمگیری

پر نہ صرف مقدس نوشتے بلکہ سارے فیلسوف گواہی دیتے ہیں مثلاً چین کے فیلسوف جنہوں نے اُس ملک کے فلسفہ کو خوب مانجھا وہ اپنے فلسفہ میں آدمی کی خوبی پر بہت زور دیتے ہیں۔ تاہم ایک چینی ضرب المثل ہے کہ "صرف دو ہی آدمی نیک ہیں۔ ایک مرگیا اور ایک ہنوز پیدا نہیں ہوا"۔

گناہ کی عالمگیری اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اسکی تہ میں کوئی نہ کوئی بستر ہے یا ایک قانون قدرت ہے یعنی کوئی طبعی قانون اسکا سبب ہے۔ اس سبب سے موروثی گناہ کی تعلیم مانی جاتی ہے موزلے صاحب کہتے ہیں کہ اگر ایک ذات کے سارے بشر گناہ آلودہ ہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ گناہ انکی ذات سے متعلق ہے کیونکہ اُس ذات کے سبب سے وہ ایک جنس کہلاتے ہیں۔

کول رج صاحب کہتے ہیں کہ مسیحی دین کا ایک بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ میں گنہگار ہوں۔ پیشتر اس سے کہ مینے ہوش وحواس پکڑکے کچھ کام کیا میری مرضی میں ایک اصلی خرابی موجود تھی میں غضب کا فرزند پیدا ہوا۔ اس عجب بھید کے سمجھنے کا میں دعویٰ نہیں کرتا میں تو اسکے امکان کا خیال بھی نہیں کرسکتا ہوں۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ یہ ہے اور جو ہے وہ ممکن ہے۔ مسیحی شخص جو اپنی حالت سے واقف ہے اور مقدس نوشتوں کو مانتا ہے یہ تسلیم کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ یہ ہے وہ آپ گنہگار ہے۔ گناہ کرنے سے پیشتر بھی گنہگار تھا۔ نہ [illegible] کہ کسی خاص

میں کوئی طاقت ایسی نہیں بچ رہی، جو اُسے نکالے۔ پورے طور سے یہ
خرابی بحالی تو جا سکتی ہے لیکن خدا کی طاقت سے نہ کہ انسانی طاقت سے
جس طرح سے اوپر مذکور ہوا کہ نوع اِنسان کی طبیعت باوجود گناہ کے باوجود سالم
ہے اُسی طرح سے ہر شخص کی ساری طاقتیں بحال رہتی ہیں۔ فعل مختار شخص
اور خالق کی صورت میں بنا ہوا رہتا ہے۔ جبر نے اگر اُسے دبا نہیں لیا۔
لیکن ایک طرح سے بخلاف خدا اور اُسکی مرضی کے وہ اندرونی میلان
کے سبب سے غلط انتخاب کرتا ہے۔ اور نہیں چاہتا ہے کہ خدا کی
شریعت کے تابع ہو (رومیوں ۸۔۷) نورِ قلب اعتراض کرتا ہے۔ دِل
میں لڑائی ہوتی ہے عقل نیکی کی تعریف کرتی ہے لیکن اخیر میں مرضی خدا
کے خلاف انتخاب کرتی ہے (رومیوں ۵۔۱۲ سے ۲۱ + ۱ قرنتی ۱۵۔۲۱
و ۲۲ و ۴۵ سے ۴۹)۔ اِن مقامات سے ظاہر ہے کہ نہ صرف مرضی بلکہ
قصورواری ساری جنس سے منسوب ہوتی ہے۔ سبھوں نے ایک کے
قصور کے سبب سے قصور کیا ہے۔

اگرچہ عالموں نے اِسپر بہت زور مارا لیکن یہ بھید کا بھید ہی رہا۔ متقابلہ
کرو مسئلہ دین دہم و ہفدہم۔ اِس سے یہ عملی تعلیم نکلتی ہے کہ خدا اپنی
رحمت کے مطابق چاہتا ہے کہ اِس تعلیم کے ذریعے سے آدمی خود توکلی
اور خود وقری کو جڑ مول سے نکال ڈالے۔ اور لاچاری سے اس
دوسری تعلیم میں پناہ لے جو یسوع مسیح کی محبت اور اُس کے فضل
میں منکشف ہوئی۔

(۳) . بحال شدہ انسان

اِس بات کے بارہ میں ثالوث کے کام بیان کرتے وقت ہم بہت کہہ چکے ہیں یعنی خدا باپ کی محبت جسکے سبب سے اُسنے نجات اور فضل کے عہد کا اور اپنے بیٹے کی کلیسیا کی سلامتی کا بندوبست کیا۔ خدا بیٹے کا درمیانی اور ضامن ہوجانا اور اپنے تجسم۔ کفارہ۔ جی اُٹھنے اور صعود کے ذریعے سے اپنی کلیسیا کی ساری حاجتوں کو رفع کرنا۔ خدا روح القدس کا کام۔ جسکے ذریعے سے وہ نئی پیدائش اور مسیح سے خاص تعلق بخشتا ہے۔ اب یہ دیکھنا رہا کہ اِسکے نتائج آدمی کی بحالگی میں کونسے ہیں۔ لیکن پہلے دو چار باتوں کا لحاظ کریں۔

(اوّل)۔ اِس مضمون میں بھی ہم کو وہ ضدین باتیں ملینگی جو اوپر مذکور ہوئیں مثلاً یہ کہ مقدس نوشتوں میں خدا کا ایسا ذکر ہے کہ وہ پُرمحبت قابلِ اعتبار ہے۔ یہ کہ وہ آدمی کے گناہ کا مقابلہ ایسی مخلصی کی بخشش سے کرتا ہے کہ اخیر میں نیکی کی فتح زیادہ ذوالجلال ہوگی۔ لیکن برعکس اِسکے یہ کہ فی الواقع سب آدمیوں کی نجات نہ ہوگی۔ پیدائش کی کتاب سے لیکر مکاشفہ کی کتاب تک دو راہوں اور دو انجاموں کی تعلیم پائی جاتی ہے۔ پیدائش ۴-۱ سے ۱۶ : استثنا ۳۰ - ۱۵ مزمور ۳ - ۲۷ و ۲۸ + امثال ۱۵ : ۲۴ دانیال ۱۲ - ۲ + [illegible] ۱۴ ۹ + ملاکی ۳ - ۱۷ و ۱۸ + متی ۷ - ۱۳ سے ۲۷ تک متی ۲۵ باب +

۱ سے ۸ و ۲۷ + ۲۲ - ۱۴ و ۱۵ -۳۰ س وون ...
ہوسکے اِن مقامات سے عالمگیر بحالگی کی امید نکالیں۔ تعجب نہیں کہ
ایسے ہولناک امر کے بارہ میں لوگ ایسی کوشش کریں اعمال ۳ - ۲۱ +
افیون ۱ - ۱۰ + قلیون ۱ - ۲۰ + وہ لوگ یہ گواہی پیش کرتے ہیں کہ
آخرکار یہ دو راہیں ایک انجام یعنی ہر فرد بشر کی بھلائی پر ملینگی - لیکن کیا
باقی عام مقامات کا زور اِن دو تین آیات کی مشتبہ تفسیر کے آگے جاتا
رہیگا ؟ دوسری تعلیم کیسی سخت کیوں نہ معلوم ہو - نہ صرف صاف آیات
پر بلکہ اِسپر بھی مبنی ہے کہ خداوند مسیح مسیحیوں کو اُبھارتا ہے کہ جاگتے رہیں
اور دعا مانگیں تاکہ شیطان کے قبضہ میں نہ آجائیں - اور یہ کہ خود مسیح اور
اُسکے رسول سنگدلوں پر افسوس کرتے ہیں لوقا ۱۹ - ۴۱ + اعمال ۲۰ - ۳۱
فلپیون ۳ - ۱۸ + اِن سے اِسکا ایما ہے کہ یہ آفت لاعلاج ہے -

جب ہم ادب کے ساتھ اِسکی تحقیقات کریں تو میرے نزدیک یہ گناہ
کی نہایت خرابی پر منحصر ہے لیکن ایسا کہنا یہ کہنا ہے کہ ہماری عقل کی
رسائی سے پرے ہے -

بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ شاید اُسکا بیان اِسطرح سے ہوسکتا ہے کہ
خداتعالیٰ نے مخلوقات کے پیدا کرنے کا ارادہ کرکے سب سے اچھا انتظام
انتخاب کیا - کامل مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے اُس انتظام کا ضروری
حصہ یہ تھا کہ اخلاقی مخلوقات آزمائے جائیں اور اِس میں یہ ضروری
شرط بھی تھی کہ اُن میں سے بعض خدا سے برگشتہ ہوجائیں - چونکہ انسان

کی ذات ایسی ہے کہ اُسکے راس کے گر جانے سے اُسکی اولاد میں اپنے
تئیں بحال کرنے کی طاقت جاتی رہے تو ضرور اُن میں سے بعض بحال
نہیں ہوسکینگے۔ یہ کہ پُر محبت خدانے دیکھا کہ یہ انتظام سب سے اچھا ہے
اور ہمیں فرمایا کہ میرے بیٹے کے مکاشفہ سے یہ یقین کرنا چاہئے کہ یہ
انتظام ٹھیک ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ فی الواقع نجات یافتہ بیشمار ہونگے
مکاشفہ ۷-۹ + اور یہ کہ شاید اِس انتظام کے نتایج آدمیوں ہی سے محدو
نہیں ہیں ؛ رومیوں ۸-۲۲ + افسیوں ۱-۱۲ -

ہم مانتے ہیں کہ جب ہم ایسا کہتے ہیں تو ایک الٰہی غیر محدود بات کو
انسانی محدود خیالات و محاورات میں بیان کرتے ہیں۔ لیکن اِس سے
ہم خدا کو محدود نہیں کرتے۔ نہ صرف مقدس نوشتے بلکہ ہماری ذات بھی
اِسپر گواہی دیتی ہے کہ خدا اپنی ہر وصف و صفت کے بارہ میں مطلق
ازلی اور غیر محدود ہے لیکن جب کبھی دُنیا سے خدا کے کسی تعلق کا ذِکر
آتا ہے یا زمان سے لازمان کے تعلق کا تو خواہ مخواہ ضدین خیالات
پیدا ہوتے ہیں۔ غیر متعلق خدا کا تعلقات میں خیال کرنا یا القادر خدا کے
بارہ میں ایسا تصور کرنا کہ وہ وسایل استعمال کرتا ہے اور تجویز سے کام
کرتا ہے۔ یہ سب حقیقی حدود ہیں۔ لیکن ایسی حدود خدا کی حدود سے
متعلق نہیں بلکہ انسانی عقل ناقص کی حدود ہیں -

یہ بھی مخفی نہ رہے کہ جو لوگ آگستین کی اُس تعلیم کو مانتے ہیں جِسکا
پہلے ذکر ہوا جو ہمارے نزدیک مقدس نوشتوں میں منکشف ہے۔ اگرچہ

اطاعت اور آدمیوں کی بھلائی کے لئے قادرِ مطلق پر بھروسہ کرکے حتی الامکان کوشش کرینگے۔ اور اُس دن کا انتظار کرینگے اور اگرچہ ہماری قوائے عقلی کبھی بھی محدود نہ ہونگی تاہم اُسوقت بالکل جانینگے جسطرح کہ ہم سراسر پہچانے گئے ہیں" (۱ کرنتھی ۱۳-۱۲) اُسوقت ہم حکیم۔ قادر اور مہربان خدا کی ستائیش ایسے گیتوں میں کرینگے جن میں غم کی ذرا آمیزش نہ ہوگی۔

اب بحال شدہ انسان کی طرف پھر توجہ کریں خدا باپ اور خدا بیٹے کے بیان میں اسکی کچھ تشریح تو ہو چکی ہے۔

ناظرین رسالہ ہٰذا یاد رکھیں کہ مقدس نوشتوں کے مطابق یہ بحالگی حقیقی خدا کے عرفان پر کسی نہ کسی قدر منحصر ہے۔ اُن میں یہ نہیں لکھا کہ یہ بحالگی ایسی تاثیر سے ہوتی ہے جو انسانی ذات پر چپ چاپ انجاد مند غالب آتی ہے مثلاً یہ کہ خدا بیٹے کا تجسم آدمیوں کے بدن جان اور روح پر تاثیر کرے جبکہ کوئی اخلاقی یا روحانی وسیلہ اُسے چھوا بھی نہ ہو۔ مسیح کا آخری حکم کہ ساری قوموں میں منادی کیجائے اِن وسائل کی ضرورت کی طرف اشارہ کرتا ہے (متی ۲۸-۱۹ + رومیوں ۱۰-۱۲ سے ۱۵) جو ساری دُنیا کا منصف ہے وہ ضرور راستی سے ہرایک کا انصاف کریگا۔ جو کچھ اُسنے بتایا ہے ہم اُسے اُسی کے ہاتھ میں چھوڑ سکتے ہیں تاہم یاد رکھیں کہ مقدس نوشتوں میں کچھ ذکر نہیں کہ فضل کی بشارت کے بغیر انسان کی صاف بحالگی ہوسکتی ہے۔

ایک متعلقہ امر کا بیان بھی کیجئے۔ جو بیشمار بچے ارتکاب گناہ سے

پیشتر مرجاتے ہیں وہ ہمارے نزدیک ہر ملک و ہر زمانہ میں بحال شدہ لوگوں کے شمار میں گنے جاتے ہیں یسی کلیسیا میں اسکی بابت مختلف رائیں ہوتی ہیں۔ ایک وقت بہت لوگوں کی یہ رائے تھی کہ اگر بپتسمہ نہ ملا ہو تو بچہ ہلاک ہوجاتا ہے۔ ہمارے نزدیک (مرقس ۱۰-۱۴ و ۱۵) خداوند مسیح کی باتیں بپتسمہ کی شرط سے محدود نہیں۔ اور اسطرف اشارہ کرتے ہیں کہ اگرچہ بچہ کی موت خود بخود اسپر شاہد ہے کہ آدم اول کا گناہ اُسکی ساری اولاد پر موثر چلا آیا ہے تو بھی جب کوئی بچہ ہی مرجاتا ہے آدم ثانی کی خاطر سے اُسکے کفارہ اور اُسکی روح سے اُس بچہ کو نئی زندگی ملتی ہے۔ ایسے بچوں کی حالت اگرچہ بیشمار ہوں بالغوں کی حالت سے بالکل متفرق ہے۔ خالق ہی جانتا ہے کہ کونسے اِس شمار میں داخل ہیں اور کونسے دیگر لوگوں سے بچوں کا سا سلوک کیا جائیگا۔

عام آدمی جو بحال ہوا ہے موروثی اور فعلی گناہ کے قبضہ میں تھا اب وہ خدا کی نظر میں از سرِنو پیدا ہوا ہے۔ باعتبار فعل مختاری کے وہ اپنی مرضی سے مسیح کے پاس آگیا ہے (یوحنا ۶-۳۵ و ۳۷) اُس نے مسیح کو اُسکے نام پر ایمان لا کے قبول کیا ہے (یوحنا ۱-۱۲) وہ فرمانبردار ہوا اور یسوع مسیح کا خون اُسپر چھڑکا گیا (۱ پطرس ۱-۲)۔

زبور ۵۱-۱۳ + متی ۱۸-۳ کے مطابق وہ رجوع لایا یعنی اُسکی ساری محبت و مرضی جو خدا کی دشمن تھی اُسکے تابع ہوگئی ہے یہ نئی پیدائش مختلف شخصوں میں مختلف طور سے ہوتی ہے کسی میں بتدریج کسی

کو جان بھی لیتا ہے۔ نئی پیدائش کا ہونا اَور بات ہے اور اُسکا جاننا
اَور بات ہے۔ ہوسکتا ہے (اگرچہ اغلب نہیں) کہ آدمی سرِنو پیدا ہوکر
مرتے دم تک اپنی نئی پیدائش سے واقف نہ ہو یعنی پورے تیقن سے نہ
کہہ سکے کہ میں سرِنو پیدا ہوا ہوں۔ لیکن یہ صاف ہے کہ جہاں کہیں نئی
پیدائش ہے وہاں ضرور روحانی قانون کے مطابق نئی زندگی اُسکا نتیجہ ہے
خواہ وہ شخص جانے یا نہ جانے یوحنا ۳-۸ ۱ یوحنا ۳-۶ و ۹ ۵-۴
اِن آیات سے یہ ضروری نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر حقیقی نئی پیدائش ہو تو اُسکے
نتایج کے ظاہر ہونے میں بہت وقفہ نہ گذریگا (یعنی یہ کہ اُسکے نتایج ازقوہ بفعل
آئینگے)۔

جسنے یہ نئی پیدائش پائی ہے وہ اگرچہ پہلے خدا سے جُدا نہ تھا اب یسوع
مسیح سے روح القدس کے ذریعہ سے حقیقی رشتہ رکھتا ہے اور اُسی
کے ذریعہ سے اُسنے توبہ کی اور مسیح پر اپنا بھروسہ رکھا (اعمال ۲۰-۲۱) اس
عمدہ حقیقی تعلق کے ذریعہ سے نئے عہد کی دو خاص برکتیں اُسکو ملگئی ہیں
یعنی مسیح کے کفارہ کے ذریعہ سے مقبولیت اور طبیعت کی تبدیلی یعنی روح القدس
نے اُسکی مرضی اور رغبتوں کو تبدیل کیا ہے (عبرانی ۱۰-۱۶ و ۱۷)

اِس نئی حالت کی چند باتوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) آدمی کا راستباز ٹھہرنا۔ یہ لفظ مقدس نوشتوں میں اکثر
آتا ہے نہ صرف دینی بلکہ ملکی باتوں میں بھی آتا ہے (خروج ۲۳-۷
استثناء) (امثال ۱۷-۱۵) دینی تعلیم کے بارہ میں رومیوں کے

خط کے پہلے حصہ اور گلتیوں کے خط اور یعقوب کے خط (یعقوب ۲ - ۱۴ - ۲۶) میں اُسکا خاص استعمال ہے ۔ اِن سب مقامات سے ظاہر ہے کہ اُسکے اصلی معنی یہ ہیں قانونی طور پر مقبول ٹھہرنا یعنی نہ صرف معافی حاصل کرنا بلکہ قانون کی نظر میں پوری مقبولیت پانا انسانی قوانین عمومًا اس مقبولیت کے لئے اِتنے پر قناعت کرتے ہیں کہ ظاہری طور سے اطاعت ہو۔ الہی قوانین جو رُوحانی ہیں بذاتہ اِس سے کم پر قناعت نہیں کرسکتے کہ خدا سے کامل محبت ہو اور سب آدمیوں سے برادرانہ اُلفت پس جو الہی شریعت کے سامنے مقبول ٹھہرے وہ اِن باتوں کے لحاظ سے مقبول ہے لیکن جب خدا کے حضور کوئی آدمی اپنی لیاقتوں سے (زبور ۱۴۳ - ۲) راستباز نہ ٹھہریگا تو یہ کس طرح سے ہوسکیگا ۔ اِس سوال کے جواب میں مسیح کے کفارہ کی برکت سامنے آتی ہے ۔ رومیوں کے خط کا طرز تدلیل یہ ہے کہ یسوع مسیح ذبح شدہ ابن اللہ پر اُسکی موت کے کفارہ کے سبب سے جو گنہگار ایمان لاتے ہیں اگرچہ اپنے آپ میں قصوروار اور سزا کے مستوجب ہیں تو بھی شریعت کے سامنے پورے طور سے مقبول ٹھہرتے ہیں کہ گویا اُنہوں نے شریعت کو پورا کیا ہے ۔ یہ کیسی عجیب بات کیوں نہ معلوم ہو حقیقتاً رسول کی تعلیم ہے کیونکہ وہ خود بتاتا ہے کہ شروع ہی سے لوگ اُسپر اعتراض کرتے تھے کہ ایسی تعلیم سے گناہ کی آزادگی ظاہر ہوتی ہے (رومیوں ۳ - ۸ و ۶ - ۱ و ۱) اور رسول اِس اعتراض کے جواب میں اِس تعلیم کو بدلتا نہیں بلکہ دوبارہ تاکیداً

ٹھہرتا ہے۔

اِس تعلیم پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے مثلاً یہ کہ شریعت کے اعمال سے پولوس کا مطلب یہودی رسمی اعمال ہیں نہ کہ اخلاقی نیکی۔ لیکن رومیوں ۳-۹ سے ۲۰ سے ظاہر ہے کہ شریعت کے اعمال اخلاقی بدیوں کے محاذی ہیں۔ مثلاً خدا کی تلاش کرنا اُس سے ڈرنا وغیرہ۔ پولوس کا مقصد اِس دلیل میں اس بات کے بتانے کا ہے کہ آدمی کی فرمانبرداری ہمیشہ خدا کی شریعت کے دعاوی کے سامنے ناقص ہے۔ یہ کہ وہ شریعت بذاتہ کامل فرمانبرداری کے سوا کسی بات پر قناعت نہیں کرتی حتیٰ کہ کوئی آدمی اپنی لیاقتوں کے سبب سے نجات نہیں پا سکتا ہے اور آخرکار یہ کہ انسان کی یہ سخت احتیاج محض مسیح کے کفارہ سے ایمان کے ذریعہ سے سراسر رفع ہوجاتی ہے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ایمان سے خالی ایمان مراد نہیں بلکہ حقیقی مسیحی تعلیم کا خلاصہ مراد ہے یعنی ایمان مع اپنے پھلوں کے۔ یا فرمانبرداری اور دینداری۔ سترھویں صدی میں مشہور اسقف بُل صاحب کی یہ رائے تھی۔ تقریباً باقی سارے اعتراض اسی قسم کے ہیں۔ لیکن اگر لفظ ایمان کے معنوں کا ٹھیک لحاظ کیا جائے خواہ مقدس نوشتوں میں خواہ روزمرہ کے محاورہ میں تو یہ رائے ضرور غلط ٹھہرے گی مثلاً متی ۶ ۳۰ ۸ ۱۰ میں ہمارا خداوند لفظ ایمان شخصی بھروسے کے مفہوم میں استعمال کرتا ہے۔ متی کے ۱۵ باب ۲۸ آیت میں مسیح کنعانی عورت

کے ایمان کی تعریف کرتا ہے کہ اُنہے اُسپر باوجود دقتوں کے پختہ بھروسا رکھا

البتہ مقدس یعقوب (۲-۱۴ سے ۲۶) کی دلیل بادی النظر میں دوسری رائے کی مد معلوم ہوتی ہے لیکن ہمارے نزدیک یہاں ایمان سے محض ظاہری اقرار مراد ہے نہ کہ شخصی بھروسہ - اور مقدس یعقوب خط ایمان کو اُسطرح سے استعمال کرتا ہے جیسے اُس کے مخالف استعمال کرتے تھے ایک بات تو صحیح ہے کہ یعقوب پولوس کی تعلیم کے نتائج کے برخلاف نہیں بلکہ یہودیوں کی رایوں کے خلاف ناظرین کو آگاہ کرتا ہے - یہودیوں کی تعلیم یہ تھی کہ ایمان کا اقرار بہشت میں جانے کے لئے گویا پروانہ راہداری ہے - چونکہ پولوس کی تعلیم اُسکے خطوں میں ایسی مفصل ہے تو چاہیئے کہ اگر اُنکے اتفاق پر کچھ شک پیدا ہو تو یعقوب کی تعلیم کا مطلب پولوس کے مفصل بیان سے نکالیں نہ کہ پولوس کی تعلیم کا مطلب یعقوب کے بیان سے -

ایک اَور اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اگرچہ بیشک ایمان سے راستباز ٹھہرنا مسیحی زندگی کا شروع ہے لیکن باقی زندگی کے لئے دوسری تعلیم چاہیئے - یعنی گناہگار آدمی مسیح کے کفارہ کی خاطر قبول ہوتا ہے لیکن وہ اُس مقبولیت پر کسیقدر اُس فرمانبرداری کے سبب سے قایم رہتا ہے جو نئی پیدایش کا نتیجہ ہے - اس غلط تعلیم کا جواب ماسوائے مقدس نوشتوں کے مقامات کے - نہ کہ سب حقیقی ایماندار لوگ (دوسری باتوں میں خواہ

اسرائیلیوں کے لئے سچ تھا۔ ہو نہیں سکتا کہ آدمی پہلے محض ایمان سے اور بعدہ اپنی فرمانبرداری کے سبب سے فرمانبردار ٹھہرے۔ ۲ تمطا ۱-۱۲
فلپیوں ۳-۹۔

جب ھوکر صاحب قریب المرگ تھا اُسنے یوں کہا کہ "اگرچہ خدا کے فضل سے مینے لڑکپن میں اُس سے محبت رکھی اور بڑھاپے میں اُسکی تعظیم کی اور اپنی ضمیر کو بیداغ رکھنے کی کوشش کی تو بھی اے خداوند اگر تو گناہ کا حساب لے تو کون کھڑا رہیگا۔ پس اے خداوند میرے نقصوں پر رحم کی نظر کر کیونکہ میں اپنی راستبازی کو پیش نہیں کرتا ہوں بلکہ ناراستیو کی معافی اُسکے نام سے مانگتا ہوں جو تائب گناہگاروں کی معافی حاصل کرنے کے لئے موا۔"

نجات پر ہمارے ثابت قدم اور خوش رہنے کے لئے سب سے ضروری بات یہ ہے کہ ایمان سے راستباز ٹھہرنے کی تعلیم کو اچھے طور سے سمجھ لیں۔ اِس تعلیم کو جو بادی النظر میں متضاد معلوم ہوتی ہے۔ لوتھر صاحب نے سرنو فروغ دیا۔ اور ہمارے کلیسیا کے گیارھویں مسئلہ اور راستباز ٹھہرنے کے وعظ (ہومِلی) میں صاف طور سے مشرح ہے۔

ہوکر صاحب نے بھی ایک مشہور وعظ (مراستباز ٹھہرنے پر لکھا۔ اگرچہ یہ تعلیم متضاد معلوم ہو تو بھی اُس دوسرے بھید سے اچھی طرح ملتی ہے کہ ہمارے واسطے "مسیح سب کچھ ہے"۔ جو بخوبی غور کرتے ہیں کہ مقدس نوشتوں میں مسیح کے کفارہ کی کیسی عظمت ہے وہ خود بخود اپنی مقبولیت

کو بالکل مسیح ہی سے منسوب کرینگے اور مانینگے کہ ہم محض توکل سے اُس
کے کفارہ سے متعلق ہوجاتے ہیں نہ اپنے دکھ سہنے یا جانفشانی کے ذریعہ
سے مقبول ٹھہرتے ہیں - وہ سب کچھ ہے اور ہم گناہگار بلاتامل اُسے
قبول کرتے ہیں -

یہاں اِس محاورہ پر کچھ کہا جائیگا کہ **مسیح کی راستبازی ہم سے منسوب ہوتی ہے** یہ محاورہ جو خصوصاً سترھویں صدی
میں مشہور تھا آجکل بعضوں کو منظور نہیں لیکن اگر رومیوں ۴ - ۶ وغیرہ
پر لحاظ کیا جاوے یہ محاورہ درست ہے "آدمی کو خدا بغیر اعمال کے
راستباز ٹھہراتا ہے" (لفظی طور سے "جس سے خدا بغیر اعمال کے راستبازی
منسوب کرتا ہے") بعض لوگوں نے اِسپر کچھ حرف گیری کی اور مسیح کی فرمانبرداری
اور اُسکے دُکھوں کے درمیان یہ امتیاز کرنا چاہا کہ اُسکی فرمانبرداری ہمارے
نقصوں اور اُسکی موت ہماری حکم عدولی کو رفع کرتی ہے - لیکن اِس محاورہ
کا لُب لباب یہ ہے کہ خدا کا بیٹا جسکی لیاقت کامل ہے اور شریعت کے
سامنے بالکل منظور ہے وہ شریعت کا تقاضا پورا کرنے کے لئے اپنے
متوکلوں کا قائم مقام سمجھا جاتا ہے - یعنی گناہگار مسیح میں ہوکر اُس کی
لیاقت سے مُلبّس ہوتا ہے جسطرح سے کہ گناہگاروں کے قصور مسیح پر
لادے گئے - اِسطرح سے اُسکی لیاقت آدمی کے حساب میں جمع کی گئی

پس خواہ اوامر کے لئے خواہ نواہی کے لئے جو دونوں حکم عدولی میں
شامل ہیں (۱ یوحنا ۳ - ۴) آدمی پر قناعت کرتا ہے کہ میں اُس

یہ مخفی نہ رہے کہ جو آدمی راستباز ٹھہرتا ہے اگرچہ خدا کے سامنے دائماً
مقبول رہتا ہے تاہم پدرانہ تنبیہہ کے قابل ہے (۱ کرنتھیوں ۱۱-۱۹ سے
۳۲ عبرانیوں ۱۲-۵ سے ۱۱ ۔ استثناء ۸-۵ ۔ مزامیر ۹۴-۱۲) اور یہ
بھی سچ ہے کہ اگر ایسا شخص اُس مقبولیت کی خوشی میں رہنا چاہے
اُسکو چاہیئے کہ خدا کے ساتھ فروتنی سے چلے اور فرمانبردار رہے۔گناہ کرنے
اور خصوصاً گناہ کی عادت رکھنے سے مقبولیت کا یقین جاتا رہتا ہے۔

(**دوئم**) اب آدمی کی اندرونی پاکیزگی کا بیان کیا جاتا ہے۔ یہ حقیقی
پاکیزگی راستباز ٹھہرنے سے خاص تعلق رکھتی ہے۔ راستباز ٹھہر کر آدمی
پاکیزگی کے قابل بن جاتا ہے (رومیوں ۵-۱ و ۲ و ۱۰ و ۱۱۔ جب مسیح کے
ذریعہ سے خدا کے ساتھ ہمارا ملاپ ہوا تو اُسکا نتیجہ یہ ہے کہ خوشی اور محبت
سے شکریہ کے طور پر آدمی پاکیزہ ہوجاتا ہے۔اور فی الواقع ہم اسی واسطے
راستباز ٹھہرتے ہیں تاکہ ہم میں پاکیزگی پیدا ہوجائے۔ یہ بات ظاہر بھی
ہے اور ضروری بھی ہے کہ مقدس نوشتوں میں کبھی نہیں لکھا ہے کہ جو
خوشی آنے والے غضب سے بچنے کے خیال پر طبعی طور سے ہمارے
دل میں پیدا ہوتی ہے وہ غلط ہے (۱ تسلونیکیوں ۱-۱۰) اور نہ یہ جو بعض
آدمیوں کی رائے ہے کہ جو اپنی نجات پر شکرگذاری کے باعث فرمانبرداری
کرتا اُسکی اطاعت ادنیٰ ہے اور یہ کہ خدا ہی کے جلال کے باعث سے
حقیقی اطاعت کی تحریک ہوتی ہے۔ لیکن اگرچہ ایسی رائے غلط ہو
تاہم مقدس نوشتے خدا کے جلال کو اطاعت کی سب سے اعلیٰ

علت غائی ظاہر کرتے ہیں ایسا کہ از سرِ نو پیدا شدہ شخص ضرور اسکی اطاعت کو اپنا اعلیٰ مقصد سمجھیگا۔ پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ پاکیزگی جو انجام ہے راستباز ٹھہرنے سے جو وسیلہ ہے اعلیٰ ہے۔

اس موقع پر ہم مسیحی فرائض کا مفصل بیان نہیں کر سکتے ہیں۔ ہاں اتنا کہہ سکتے ہیں کہ انکا خلاصہ یہ ہے۔ کہ مسیح کی خاطر ہر ایک گناہ سے خواہ خیالی یا فعلی پرہیز کریں اور اپنے آپ کو تن من سے خدا کی مرضی کے سپرد کریں۔ ہمارا یہ کام ہے کہ بتائیں کہ اس پاکیزگی کو حاصل کرنے کے لئے مسیح میں کتنا خزانہ ہے۔

پاکیزگی میں ایمان کا کام۔ یہ کام کئی طرح سے ہوتا ہے۔ چونکہ ایمان کے ذریعہ سے ہم راستباز ٹھہر جاتے ہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ اُس حالت کے سارے نیک نتائج ایمان سے صادر ہیں لیکن جب کبھی کوئی مسیحی کسی بات کے بارہ میں اپنے خداوند پر تکیہ کرتا ہے۔ اُسوقت ایمان اپنی تاثیر کرتا ہے۔ یہ بالکل اُسی قسم کا ایمان ہے جسکے ذریعہ سے ہم رجوع لانے کے وقت راستباز ٹھہر گئے لیکن اسکا رُخ اَور ہے۔ یعنی وہ نہ گناہوں کی معافی حاصل کرتا ہے بلکہ حقیقی پاکیزگی اعمال ۱۵: ۹۔ گلتیوں ۲: ۲۰۔ افسیوں ۶: ۱۶۔ ا قرنتی ۱: ۳۰۔ ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ خود مسیح ہر ایک مسیحی کے پاک ہونے اور رہنے کا وسیلہ ہے۔ وہ روح القدس کے ذریعہ سے ہمارے دلوں میں آ بستا ہے وہاں وہ اپنا کام کرتا ہے اور ہمارا یہ کام ہے کہ اُسپر ایمان رکھیں۔

یہ ایمان اُسی روح کی تاثیر سے ہے - یاد رکھیں کہ مسیح کا آ بسنا اور اُسکی برکتیں ایمان سے ہمیں ملتی ہیں نہ کہ لمبی چوڑی ریاضت کشی و نفس کُشی سے بلکہ اُسی سادہ ایمان سے جسکے ذریعہ سے ہم پہلے راستباز ٹھہر گئے اِسی سبب سے لکھا ہے کہ "دِل ایمان سے پاک ہوجاتا ہے"۔ کیونکہ اُسکے وسیلے سے دِل میں خود مسیح داخل ہوتا ہے جو اپنی الہٰی قدرت سے اپنے بندہ کی مرضی پر ایسی تاثیر کرسکتا ہے کہ وہ نہ مجبوراً بلکہ خوشی سے سب باتوں میں اُسکی مرضی پر چلے -

اِس روحانی فتح کے صاف راز کا مقدس نوشتوں میں خصوصاً زبوؔر میں مشرح بیان ہے زبور ۲۵ - ۱۵ ؛ ۲۷ - ۱ سے ۶ ؛ ۱۳۸ - ۷ ، ۸ ؛ رومیوں ۱۳ - ۱۴ ؛ افسیوں ۶ - ۱۰ و ۱۱ ؛ فلپیوں ۴ - ۱۳ ؛ گلتیوں ۲ - ۲۰ -

پاکیزگی کی تعلیم میں اِس بات پر خاص زور دینا چاہیئے کہ مسیح سب کچھ ہے اور یہ کہ ہم اُس سے زندہ تعلق رکھ کر عملی طور سے پاکیزہ بن جاتے ہیں - وہ تو خود بذاتہٖ ہماری نئی زندگی اور نئی حالت کی بنیاد ہے اور اُس زندگی کی ترقی میں روح القدس کے ذریعہ سے ہمارا فاتح بادشاہ اور محافظ ہوتا ہے - ہمارا اِن برکتوں کو حاصل کرنا ایمان پر منحصر ہے یعنی جہاں تک کہ ہم فروتنی کے ساتھ اُسپر بھروسہ رکھتے ہیں - اُس سے نئے عہد کی دونوں برکتیں ہمیں ملتی ہیں یعنی مقبولیت اور روحانی طاقت -

تاہم مقدس نوشتوں میں یہ نہیں لکھا کہ ہم چپ چاپ بیٹھے بیٹھے پاکیزہ بن جائینگے۔ از سرِنو پیدا شدہ شخص کی مرضی سب سے بڑھکر کارگر ہے مثلاً اِس اندرونی پاکیزگی کے بارہ میں (جو ساری عملی خدمت کی بنیاد ہے) اُس کا یہ کام ہے کہ آدمی جاگتا رہے اور دعا مانگے۔ اپنے تئیں جانچے۔ گناہوں کا اقرار کرے کلام اللہ کی تلاوت کرنے اور فضل کے مقررہ وسایل خصوصاً مسیح پر غور کرنا اور روح القدس کی ہر آواز پر جو دِل میں ہوتی ہے کان دھرنا لیکن اِن سارے کاموں کا مقصد یہ ہے کہ مسیح سے ہر روز بلاناغہ وہ اندرونی تعلق رہے جو فتح کا وسیلہ ہے۔ یہ وسایل ایمان کے مددگار ہونگے نہ کہ ایمان کی جگہ کو غصب کرینگے ہر ایک آزمایش کا مقابلہ نہ آدمی ہی کی کوشش سے ہوگا بلکہ ایسی کوشش سے جسکے ذریعہ سے مسیح قوی مددگار ہوتا ہے۔

یہاں یہ سوال لازم آتا ہے کہ آیا سرِنو پیدا ہوا شخص اِس فضل کے ذریعہ نے طبعی اور عملی گناہ سے ایسا مبرا ہوسکتا ہے کہ وہ یہ کہہ سکے کہ میں بالکل بری ہوں۔ البتہ مقدس نوشتوں کے وعدے بہت وسیع ہیں افسیون ۳۔۲۰ و ۲۱ + فلیپون ۱۔۱۰ + ۱ یوحنا ۲۔۵ + ۳۔۶ و ۹۔ نئے عہدنامہ میں یہ خیال پیش کیا جاتا ہے کہ مسیحی شخص عموماً خدا کے ساتھ ساتھ چلتا رہے۔ اور مسیح کے ذریعہ اُسکی دلی اور عملی اطاعت خدا کو قبول ہو فلپیوں ۴۔۷ + بہت مسیحی اِس نشانہ تک نہیں پہنچتے اِس طرح سے اُنکی خوشی اور اطاعت دونوں ناقص رہتی ہیں۔

پطرس ۱-۱۱؛ ۱ یوحنا ۱-۸؛ ۳-۶ و ۹؛ خدا کا فضل تو کامل ہے لیکن مسیحی کا ایمان ہمیشہ ناقص رہتا ہے اور اسلئے پاکیزگی بھی تا دم مرگ ناقص رہیگی اگرچہ ترقی کی حد کو محدود نہ کریں۔ پس آخر تک یہ دُعا مانگنا ضرور ہے کہ "ہماری تقصیریں معاف کر" اور یہ یاد رکھنا کہ بلا ناغہ مسیح کے خون کی ضرورت ہے جو اُسے سارے گناہ سے پاک کرتا رہتا ہے۔

ایوحنا ۱-۷؛ یہ اسکا حق ہے کہ گناہ اُسپر سلطنت نہ کرے رومیوں ۶-۱۴ و ۱۲؛ صلیب کے ذریعہ سے وہ گناہ اور شریعت کی طرف سے مرگیا ہے۔ ان معنوں میں کہ اُسکی سزا سے چھوٹ گیا اور نئی زندگی کے لئے مسیح کے ساتھ جی اُٹھا ہے رومیوں ۶-۲ و ۴؛ ۷-۴ لیکن گناہ ہنوز اُسکی مرکب ذات میں موجود ہے رومیوں ۸-۲۳۔ ہنوز اُسے جسم کا سامنا کرنا پڑتا ہے گلیتیون ۵-۱۶ و ۱۷؛ رومیوں ۸-۹ و ۱۰ و ۱۳۔ اگرچہ لکھا ہے (گلیتیوں ۵-۲۴) کہ سچے مسیحی نے جسم کو صلیب پر کھینچا ہے جس سے یہ مراد ہوگی کہ اُسنے جان بوجھکر ساری خودغرضی کے ترک کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ تاہم صلیب کی تشبیہہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جسم ابھی کچھ سسکیاں لے رہا ہے۔ اِسکے بارہ میں رومیوں ۷ باب کی کچھ تفسیر درکار ہے۔ اِس باب کی نسبت بہت سی رائیں ہوئی ہیں مثلاً یہ کہ جو اصلی گناہگار حالت میں رہتے ہیں اُنکے ضمیر کی نیکی و بدی کی لڑائی مذکور ہے۔

دوم یہ کہ وہی لڑائی اُس آدمی کی ضمیر میں ہے جسکی کچھ روحانی ترقی

ہوتی ہے - لیکن ہنوز نئی پیدائش حاصل نہیں ہوئی -

سوم - نو پیدا شدہ کا معمولی تجربہ - چہارم ذی تجربہ - لیکن اُس صورت میں کہ روح القدس کی مدد کا کچھ کم لحاظ کیا جائے - ان میں سے دو پہلی رائیں غلط معلوم ہوتی ہیں - کیونکہ ۲۲ آیت میں لکھا ہے کہ وہ شخص خدا کی مرضی میں خوش ہے - تیسری رائے کے خلاف یہ اعتراض ہے کہ مقدس نوشتوں میں سچے مسیحی کی ایسی خوشی و اطمینان اور روح القدس کے ذریعے گناہ پر غلبہ کا ایسا بیان ہے کہ جس سے اِس باب کا بیان اچھی طرح سے مطابقت نہیں رکھتا - چوتھی رائے درست معلوم ہوتی ہے - یہ قابل لحاظ ہے کہ سارے باب میں روح القدس کا ذکر نہیں آتا - صرف باطنی انسانیت اور عقل کا ذکر ہے - اور معلوم ہوتا ہے کہ سرِنو پیدا شدہ مسیحی اپنی نئی طاقتوں سے گناہ کا مقابلہ کرتا ہے لیکن چونکہ مسیح کی روح کی دوہائی نہیں دیتا، اِسلئے وہ پورے طور سے غالب نہیں آتا - آٹھویں باب خصوصاً اُسکی ۱۳ - آیت سے ظاہر ہے کہ صرف روح کے ذریعہ سے ہم جسم کی خواہشوں پر فتح پا سکتے ہیں -

پس رومیوں کا ۷ باب ایک ایسے تجربہ کا ذکر کرتا ہے جسمیں بہت مسیحی پڑے یا پڑ سکتے ہیں اُسکا مقصد یہ ہے کہ ثابت کرے کہ خدا کی شریعت ایسی ہے کہ سرِنو پیدا شدہ بھی اپنی طاقت سے اُسکے سامنے قایم نہیں رہ سکتا ہے - جب کبھی ایک لمحہ بھی مسیحی کسی آزمایش کو

گ

یہ سوال پیدا ہوتا ہے ...

مرحلہ سے ہمیشہ شروع ہوتی ہے۔ ہمارے نزدیک (اگرچہ یہ راستباز ٹھہرنے
کے بارہ میں سچ ہے) مگر پاکیزگی کی نسبت کوئی ایسا قانون مقدس
نوشتوں میں پایا نہیں جاتا ہے۔ لیکن ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب کوئی
شخص مسیح کو قبول کرتا ہے اور راستباز ٹھہرتا ہے تو وہ فوراً یہ جانتا ہے
کہ مجھے اپنے نجات دہندہ کی پیروی کرنا چاہئے اور یہ بھی جانتا ہے
کہ مجھے پیروی کرنے کی طاقت ملتی ہے لیکن رفتہ رفتہ اُس پر ظاہر ہوتا
ہے کہ میری روحانی حاجتیں کتنی ہیں اور مسیح میں میرے لئے کیا کچھ
ہے اور اگر ایسا ہو کہ وہ یکلخت یہ دریافت کرے کہ نہ میری اندرونی پاکیزگی
خوشی بلکہ خود مسیح میری طاقت ہے تو یہ گویا زندگی کا نیا مرحلہ ہوتا ہے۔
رومیوں ۳ - ۱۴ سے ۱۹ + ۷ رومیوں ۶ - ۱۳ سے ۱۹ + گلتیوں ۵ - ۱۶
سے ۲۵ + افسیوں ۱ - ۱۵ سے ۲۳ + فلپیوں ۱ - ۹ سے ۱۳۔ لیکن
مخفی نہ رہے کہ راستباز ٹھہرنے میں اور واسطے پاکیزگی میں ترقی کرنے
میں بڑا فرق ہے۔ راستباز ٹھہرنے میں شریعت کے سامنے آدمی
فی الواقع نئی حالت میں داخل ہوتا ہے اور یہ داخلہ ایک واقعہ ہوا
اور بس۔ پاکیزگی کی ترقی میں مسیحی اپنے تجربہ سے اطمینان اور طاقت
حاصل کرتا ہے جو بتدریج بڑھتی جاتی ہے اور جس اس ضرور نہیں کہ گذرے
گذرانے مرحلے ہوں۔ ہاں البتہ اس ترقی میں مسیحی شخص بارہا اپنے
تئیں خدا کے سپرد کریگا۔ اور مسیح کی بے انتہا دولت کو معلوم کریگا۔
افسیوں ۵ - ۱۸ میں لکھا ہے کہ "روح سے بھر جاؤ" جس سے

ہوئی ہے - لیکن ہنوز نئی پیدائش حاصل نہیں ہوئی -

سوم - نوپیداشدہ کا معمولی تجربہ - چہارم ذی تجربہ - لیکن اُس صورت میں کہ روح القدس کی مدد کا کچھ کم لحاظ کیا جائے - ان میں سے دو پہلی رائیں غلط معلوم ہوتی ہیں - کیونکہ ۲۲ آیت میں لکھا ہے کہ وہ شخص خدا کی مرضی میں خوش ہے - تیسری رائے کے خلاف یہ اعتراض ہے کہ مقدس نوشتوں میں سچے مسیحی کی ایسی خوشی و اطمینان اور روح القدس کے ذریعے گناہ پر غلبہ کا ایسا بیان ہے کہ جس سے اس باب کا بیان اچھی طرح سے مطابقت نہیں رکھتا - چوتھی رائے درست معلوم ہوتی ہے - یہ قابل لحاظ ہے کہ سارے باب میں روح القدس کا ذکر نہیں آتا - صرف باطنی انسانیت اور عقل کا ذکر ہے - اور معلوم ہوتا ہے کہ سرِنو پیداشدہ مسیحی اپنی نئی طاقتوں سے گناہ کا مقابلہ کرتا ہے لیکن چونکہ مسیح کی روح کی دوہائی نہیں دیتا۔ اِسلئے وہ پورے طور سے غالب نہیں آتا - آٹھویں باب خصوصاً اُسکی ۱۳ - آیت سے ظاہر ہے کہ صرف روح کے ذریعہ سے ہم جسم کی خواہشوں پر فتح پاسکتے ہیں -

پس رومیوں کا ۷ باب ایک ایسے تجربہ کا ذکر کرتا ہے جسمیں بہت مسیحی پڑے یا پڑسکتے ہیں اُسکا مقصد یہ ہے کہ ثابت کرے کہ خدا کی شریعت ایسی ہے کہ سرِنو پیداشدہ بھی اپنی طاقت سے اُسکے سامنے قایم نہیں رہ سکتا ہے - جب کبھی ایک لحہ بھی مسیحی کسی آزمایش کو

مرحلہ سے ہمیشہ شروع ہوتی ہے۔ ہمارے نزدیک (اگرچہ یہ راستباز ٹھہرنے
کے بارہ میں سچ ہے) مگر پاکیزگی کی نسبت کوئی ایسا قانون مقدس
نوشتوں میں پایا نہیں جاتا ہے۔ لیکن ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب کوئی
شخص مسیح کو قبول کرتا ہے اور راستباز ٹھہرتا ہے تو وہ فوراً یہ مانتا ہے
کہ مجھے اپنے نجات دہندہ کی پیروی کرنا چاہیئے اور یہ بھی جانتا ہے
کہ مجھے پیروی کرنے کی طاقت ملگئی ہے لیکن رفتہ رفتہ اُسپر ظاہر ہوتا
ہے کہ میری روحانی حاجتیں کتنی ہیں اور مسیح میں میرے لئے کیسا خزانہ
ہے اور اگر ایسا ہو کہ وہ یکلخت یہ دریافت کرے کہ نہ میری اندرونی مُتبدل
خوشی بلکہ خود مسیح میری طاقت ہے تو یہ گویا زندگی کا نیا مرحلہ ہوتا ہے۔
(افسیوں ۳ - ۱۴ سے ۱۹ + رومیوں ۶ - ۱۳ سے ۱۹ + گلتیوں ۵ - ۱۶
سے ۲۵ + افسیوں ۱ - ۱۵ سے ۲۳ + فلپیوں ۱ - ۹ سے ۱۳) - لیکن
مخفی نہ رہے کہ راستباز ٹھہرنے میں اور اسطرح سے پاکیزگی میں ترقی کرنے
میں بڑا فرق ہے۔ راستباز ٹھہرنے میں شریعت کے سامنے آدمی
فی الواقع نئی حالت میں داخل ہوتا ہے اور یہ داخلہ ایک دفعہ ہوا
اور بس۔ پاکیزگی کی ترقی میں مسیحی اپنے تجربہ سے اطمینان اور طاقت
حاصل کرتا ہے جو بذاتہ بڑھتی جاتی ہے اور جس میں ضرور نہیں کہ گھڑے
گھڑائے مرحلے ہوں۔ ہاں البتہ اس ترقی میں مسیحی شخص بارہا اپنے
تئیں خدا کے سپرد کریگا۔ اور مسیح کی بیقیاس دولت کو معلوم کریگا۔
افسیوں ۵ - ۱۸ میں لکھا ہے کہ "روح سے بھر جاؤ" اس سے

معلوم ہوتا ہے کہ جسقدر آدمی اپنے آپ کو خدا کے سامنے خالی کرکے جاتا ہے اُسیقدر وہ خود بھرپور ہوکر اَوروں کے لئے روحانی نعمتوں کا باعث ہوتا ہے یوحنا ۷۔ ۳۸ و ۳۹ ۔

پس بحال شدہ انسان کی یہ حالت ہے ۔ مسیح میں راستباز ٹھہر کر سرِنو پیدا ہوکر اُس سے روح کے ذریعہ سے خاص تعلق رکھتا ہے اور اُسی روح کی تحریک کی پیروی کرکے جسم کی خواہشوں کو دُعا اور ایمان اور احتیاط سے مارتا ہے گلتیوں ۳۔ ۲۶ ÷ رومیوں ۸۔ ۲۹ ا قرنتی ۲۔ ۱۹ ÷ فلپیوں ۳۔ ۳ ÷ ۲ قرنتی ۵۔ ۱۵ ÷ رومیوں ۱۴۔ ۷۔ سے ۹ ÷ اِن آیات سے ظاہر ہے کہ مسیحی خدا ہی پر فخر کرتا ہے ۔ اور یہ چاہکر کہ مسیح کی خدمت کرے وہ اَوروں کی بھلائی ڈھونڈھتا ہے اور جو کچھ کرتا ہے خداوند کی خاطر کرتا ہے ۔ دنیا اُسے نہیں جانتی لیکن وہ یہ جانتا ہے کہ جب میرا خداوند ظاہر ہوگا تب میں اُسکی مانند ہو جاؤنگا۔ ا یوحنا ۳۔ ۱ و ۲ ۔

اگرچہ وہ اپنے تئیں نالایق سمجھتا ہے تاہم خدا کی صلح کے سبب سے وہ مستقبل باتوں کا انتظار خوشی سے کرتا ہے ۔ اگر مرنا ہو تو بہتر ہے ۲ قرنتی ۵۔ ۶ و ۷ و ۸ ÷ فلپیوں ۱۔ ۲۱ و ۲۳ ۔ اگر مسیح کی دوسری آمد اُسکے جیتے جی ہو تو جان و تن سمیت اُسکو پوری خوشی ہوگی ا قرنتی ۱۵۔ ۵۲ ÷ ا تسلونیقی ۴۔ ۱۷ ÷ ۲ قرنتی ۴۔ ۱۴ ۔ اگرچہ یہ ظاہر نہیں کہ یہی بدن کس طرح سے جلالی ہوسکتا ہے تاہم خدا کی قدرت سے

کریگا مکاشفہ ۲۲ ۔ ۱۴ ۔ اُس خدمت کے طریقے مختلف ہونگے ۔ اور ضرور مقدس لوگ خدا میں خوش بھی رہینگے اور اُنکے لئے عجیب و اعلیٰ کام کرینگے ۔

نواں باب

کلیسیا کے بارہ میں تعلیم

ہوکر صاحب کی تصنیف (جو کلیسیائی انتظام کہلاتی ہے) کی تیسری جلد کے پہلے باب میں یوں لکھا ہے کہ مسیح کی وہ کلیسیا جو ٹھیک طور پر اُسکا مجازی بدن کہلاتی ہے ایک ہی ہوگئی ہے اور ظاہری طور سے کوئی آدمی اُسکا امتیاز نہیں کرسکتا کیونکہ اُسکے چند تو بالفعل آسمان میں مسیح کے ساتھ ہیں اور باقی جو روئے زمین پر ہیں اگرچہ اُنکے بدن تو نظر آتے ہیں پر اُس رشتہ کے لحاظ سے جس کے باعث وہ مسیح کے حقیقی ممبر ہیں پہچانے نہیں جاتے ہیں ۔ صرف ہم تصور کرسکتے ہیں کہ ایسا حقیقی بدن یا جماعت ہے ۔ جو اسلئے مجازی بدن کہلاتا ہے کہ اُنکے رشتہ کا جوہر ہمارے حواس سے محسوس نہیں ہوسکتا جو کچھ کہ ہم مقدس نوشتوں میں خدا کی بیقیاس محبت اور مفت بخش رحمت کے بارہ میں جو وہ اپنی کلیسیا سے رکھتا ہے پڑھتے ہیں وہ اس کلیسیا سے منسوب ہے ۔ اس گلے کی بھیڑوں کے بارہ میں خداوند مسیح نے وعدہ کیا کہ "میں انہیں ہمیشہ کی زندگی بخشتا ہوں اور وہ کبھی

ہلاک نہ ہونگی اور کوئی اُنہیں میرے ہاتھ سے چھین نہ لیگا۔ اِس جماعت کے لوگوں میں ایسے نشانات و علامات ہیں جنہیں ہم محسوس نہیں کرسکتے صرف خدا انہیں جانتا ہے جو اُنکے دلوں کو دیکھتا ہے اور اُنکے سارے پوشیدہ خیالات کو پہچانتا ہے۔

سب لوگ جانتے تھے کہ نتھانیل اسرائیلی ہے لیکن مسیح تیتک نظر کرکے اُسپر ایسی گواہی دیتا ہے جو عام انسان دے نہیں سکتا۔ یعنی یہ کہ "دیکھو ایک سچا اسرائیلی جس میں مکر نہیں ہے" اگر ہم پطرس کی طرح دعویٰ کریں کہ ہم اپنے خداوند سے محبت رکھتے ہیں اور سب کے سامنے یہ دعویٰ کریں تو بھلے لوگ اُسے مان لینگے جب تک اسکے خلاف کچھ ظاہر نہ ہو۔ لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ وہ محبت حقیقی ہے سوائے اُسکے جو سارے آدمیوں کے دلوں کا پرکھنے والا ہے۔ وہی اکیلا جانتا ہے کہ کونسے میرے ہیں۔

اور جسطرح سے کہ محبت رحمت اور خوشی کے وہ وعدے مجازی کلیسیا سے ہیں اسیطرح سے جب ہم خدا کی کلیسیا کے فرائض کا ذکر سنتے ہیں تو وہ کلیسیا ظاہری جماعت ہے۔ یہ ظاہری کلیسیا بھی ایک ہی ہے۔ اور اُسکے دو حصے ہیں۔ ایک وہ جو مسیح کی پہلی آمد سے پیشتر تھا۔ دوسرا ان اشخاص پر مشتمل ہے جنھوں نے مسیحی دین قبول کیا یا بعد ازیں آئے اختیار کرینگے۔ اِس ظاہری بدن یا کلیسیا کی یگانگت سے وہ اتحاد مراد ہے جس میں سب اہل کلیسیا فرداً فرداً اسلئے شامل ہیں کہ اُنکا ایک خداوند ہے۔ ایک ایمان ایک بپتسمہ۔ بپتسمہ سے پیشتر ہم ظاہری بدن میں شامل نہیں ہوتے ہیں جتنے لوگ اِن تینوں باتوں کو مانتے ہیں

اگرچہ بُت پرست بدعتی خارج کئے جانے کے مستوجب ہوں۔ ہاں اگرچہ کسی خاص بدی کے سبب سے خارج بھی کئے گئے ہوں یہ سب ظاہری اقرار سے مسیحی ہیں تو کیا ہوسکتا ہے کہ وہی اشخاص شیطان کی جماعت کے بھی ہوں اور یسوع مسیح کی کلیسیا کے بھی ہوں؟ اُس کلیسیا کے جو اُسکا مجازی بدن ہے وہ نہیں ہوسکتے ہیں۔ کیونکہ وہ بدن صرف خدا کے حقیقی بندوں اور مقدسوں سے بنا ہے۔ تاہم یسوع مسیح کے ظاہری بدن اور ظاہری کلیسیا کے ہوسکتے ہیں۔ ہاں بارہا ہوئے بھی ہیں اگر ظاہری اقراری کا لحاظ کیا جائے بہت سی غلطیاں اِسلئے وقوع میں آئی ہیں کہ لوگوں نے اچھی طرح سے ان باتوں کا امتیاز نہیں کیا۔ پہلے خدا کی حقیقی اور ظاہری کلیسیا میں اور دوم ظاہری صحیح سالم اور ظاہری بگڑی ہوئی کلیسیا کے درمیان۔

ہم نے ہوکر صاحب کی تصنیف سے اس عبارت کا حوالہ دیا ہے کیونکہ اُس میں ایسا بے طرفدار معلم ایسا امتیاز کرتا ہے جو ہمارے نزدیک کلیسیا کے بارہ میں بالکل ضروری ہے۔ کلیسیا کا بلحاظ اُسکی ظاہری انتظام کے جو دکھائی دیتا ہے اور بلحاظ اُسکی روحانی زندگی کے جو خدا ہی کو پورے طور سے معلوم ہے اور جسکا ظہور ایمان امید و محبت وغیرہ کے پھلوں سے ہوتا ہے امتیاز کرنا چاہیئے۔ اور مخفی نہ رہے کہ ہوکر صاحب نہ صرف ظاہری کلیسیا کو ایک بتاتا ہے (ایسا کہ اُسکی جدائیاں اُسکی ذات کے موافق نہیں) بلکہ اُس یگانگت کے ضروری آثار اچھی طرح سے مقدس نوشتوں کے مطابق بتاتا ہے۔

مقدس نوشتوں میں کیا لکھا ہے؟ لفظ کلیسیا یعنی جماعت یا چنے

ہوئی عہد عتیق کی یونانی میں عام لفظ ہے۔ موسیٰ کی کتابوں میں
اسرائیل کی جماعت کا یہ لقب ہے۔ کبھی کبھی عام جماعت کا نام ہے
خواہ دینی یا دنیاوی۔ عہد جدید میں کبھی کبھی غیر مسیحیوں کی جماعت
(اعمال ۱۹-۳۲ و ۳۹ و ۴۱) کا اکثر کسی علاقہ یا شہر یا گھر کے مسیحیوں
کا لقب ہے۔ اعمال ۸-۱۔ ۱۳-۱ + ۱۵-۴۱ + رومیوں ۱۶-۱ و ۴
و ۵ و ۱۶ + ۱ قرنتی ۱-۲ + ۱۶-۱ + گلتیوں ۱-۲ و ۲۲ + فلپیوں ۴
۱۵ + تھسلنیکیوں ۲-۲ + مکاشفہ ۱ و ۲ و ۳ باب - ۲۲-۱۶ + کبھی ہر جگہ
سب مسیحیوں کا لقب ہے جو ایک ہی جماعت گنے جاتے ہیں۔ متی
۱۶-۱۸ + ۱۸-۳ + اعمال ۲۰-۲۸ + ۱ قرنتی ۱۰-۳۲ + ۱۲-۲۸ +
۱۵-۹ گلتیوں ۱-۱۳ + افسیوں ۱-۲۲ + فلپیوں ۳-۶ کلسیوں
۱-۱۸ و ۲۴ + ۱ تمطاؤس ۳-۱۵ + عبرانی ۱۲-۲۳ + افسیوں ۵-۲۳
وغیرہ - اِن مقامات میں سے بعضوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ظاہری بدن
کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے یعنی سارے لوگ جو مسیحی کہلاتے ہیں
خواہ کہیں کے کیوں نہ ہوں لیکن بعض مقامات میں خصوصاً افسیوں
کے خط میں روحانی حقیقی کلیسیا مراد ہے یعنی وہ جماعت یا بدن جو مسیح
یعنی سر سے پورا روحانی تعلق رکھتی ہے اور جو جلال کی حالت میں اُسکی
دلہن بنجائیگی - اعمال ۸-۱ + رومیوں ۸-۹ + ۲ قرنتی ۱۳-۵ - ۵ - سے
صاف ظاہر ہے کہ ہو سکتا ہے کہ آدمی کسی ظاہری کلیسیا سے متعلق ہو
پر تو بھی حقیقی کلیسیا سے بے بہرہ ہو۔

جو امتیاز ہوکر صاحب نے کیا وہ نفس امر ہی سے ظاہر ہے۔ اگر
مسیح سے حقیقی تعلق ہو تو وہ تعلق روح القدس کے ذریعہ سے ہے۔

لیکن مذکورہ بالا آیات سے صاف ظاہر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص
بھی ظاہری کلیسیا میں ہوتا ہوا روح سے پیدا ہو۔ [illegible]
شمعون اعمال ۸: ۱۸ لیکن خواہ کوئی شخص کہاں کہیں ہو نہیں
سکتا کہ ہم اپنے آدمیوں کو یا غلطی کے ظاہری کلیسیا سے نکال دیں
اگر ایک بھی ایسا شخص ظاہری کلیسیا میں رہ جائے تو ہم نہیں کہہ
سکتے ہیں کہ ظاہری کلیسیا کی صورت اصلی روحانی کلیسیا کی صورت
سے پورے طور سے ملتی ہے۔ ہم انسان جو ظاہری کلیسیا کی صورت
کے محافظ ہیں ایسا دعویٰ کرنے کا اختیار نہیں رکھتے کہ فلاں شخص
روح سے متعلق ہے یا نہیں۔ البتہ کیونکہ ایسا بایا ضرور ہے کہ مشہور
گناہگار خارج کئے جائیں۔ مگر ایسا ہو [illegible] پاک کسی دل کی ساری
حالت جاننے کا دعویٰ نہیں رکھتا ہے۔

اس قانون پر [illegible] سے [illegible] سے روشنی آتی ہے۔ وہاں
اُس یہودی کا جو مختون کی رسم کے مطابق یہودی ہے ذکر ہے کہ جو
خدا کی طرف سے [illegible] ہے۔ اُس یہودی سے جو دل میں یہودی
ہے امتیاز کیا جاتا ہے۔ پس کتنا زیادہ ایسا امتیاز نئی کلیسیا میں ضرور
ہے۔ کیونکہ بنی اسرائیل کی جماعت میں کم سے کم ظاہری الفاظ میں نئی
جماعت کی نسبت ظاہری شرائط پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ کیونکہ ایک طرح
سے یہودی کلیسیا قوم تھی جیسی [illegible] اور قوموں کی طرح کوئی
[illegible] تھی۔ وہ الٰہی جماعت تھی مگر روحانی نسب نامہ اہم سمجھا
جاتا تھا۔ تو بھی اب واقعات کی طرف نظر کرتے ہیں تو [illegible] فرشتہ
اُس قوم کے اصلی اور سچے نام ہوا یعنی ظاہری و باطنی یہودیوں کا

امتیاز کرتے ہیں اور مانتے ہیں کہ خدا کی نظر میں وہ سب اسرائیلی نہیں جو اسرائیلی کہلاتے ہیں۔ پس چونکہ مسیحی کلیسیا میں نہ نسب نامہ پر نہ قومیت پر زور دیا جاتا ہے بلکہ جیسے نام مشتبہ ہیں - مسیح - روح ایمان - قدسیت - ایسی کلیسیا میں یہ امتیاز بلا شک و شبہ ضروری ہے - برائے نام مسیحی اور اصلی مسیحی اور برائے نام کلیسیا اور اصلی کلیسیا ایک دوسرے کے حریف نہیں بلکہ ایک لقب کے دو متفرق معنے ہیں۔

آگستین نے بھی اس امتیاز پر بہت زور دیا - وہ اپنی تصنیف میں جو مسیحی تعلیم کہلاتی ہے کسی شخص کے بارہ میں جس نے چند قوانین پیش کئے تھے یہ لکھتا ہے کہ اسکا دوسرا قانون خداوند کے دوھرے بدن کے بارہ میں ہے اور آگستین اس محاورہ پر یہ اعتراض کرتا ہے کہ "چاہیے تھا کہ وہ یوں کہے کہ خداوند کے حقیقی اور مخلوط بدن یا اصلی اور جعلی بدن وغیرہ کیونکہ نہ صرف اصل میں بلکہ اب بھی یہ کہنا نہیں چاہئے کہ ریاکار مسیح کے ہیں اگرچہ وہ ظاہری طور سے کلیسیا سے متعلق ہوں اکثر ایسا ہے کہ مقدس نوشتوں میں جب ایک کا ذکر آچکا ہے - بلا امتیاز دوسرے کا ذکر بعدہٗ آتا ہے گویا وہ دونوں قسم کے آدمی باعتبار ظاہری ساکرمینٹوں میں شامل ہونے کے ایک ہی بدن کے ہیں۔ اصلاح کے زمانہ میں بشپ رڈلے صاحب نے اسکا کچھ بیان کیا کہ "وہ کلیسیا جو مسیح کا بدن ہے اور جسکا مسیح سر ہے صرف زندہ پتھروں اور حقیقی مسیحیوں پر مشتمل ہے جو دل اور سچائی میں باطنی طور پر مسیحی ہیں نہ کہ ظاہری طور پر برائے نام - لیکن چونکہ یہ اندرونی کلیسیا بایں لحاظ کہ مسیحیوں کی

یوں بھی رویت جو ظاہری کلیسیا میں [illegible] ہے اور سارے [illegible] اور
خدا کے کلام کی خدمت میں شریک ہی ہے۔ اسلئے اس ظاہری کلیسیا
کے بارہ میں بہت باتیں کہی جاتی ہیں جو اصل میں اس کلیسیا کے
اندرونی حصے سے منسوب ہیں۔

چونکہ یہ حال ہے۔ اسلئے اس لفظ کلیسیا کا استعمال ہوشیاری سے کرنا
چاہیئے مبادا کہ ظاہری بدن کے بارہ میں ایسے دعاوی کئے جائیں جو
صرف اندرونی بدن کے ہوں۔

مخفی نہ رہے کہ مقدس نوشتوں سے اور نفس الامر سے ظاہر ہے کہ کلیسیا
کی ظاہری حالت بہت اہم اور مقدس امر ہے۔ اگرچہ ایک طرح سے
مسیحی جماعت سب حقیقی ایمانداروں کی گروہ ہے پر دوسری طرح سے
ظاہری جماعت بھی ہے جو اس موجودہ دنیا میں کام کرتی اور گواہی دیتی
ہے۔ اس حیثیت میں شروع ہی سے اسکے چند مقررہ عہدہ دار ظاہری
ترتیب اور رسوم پائی جاتی ہیں اور بارہا ہدایت کی جاتی ہے کہ ہم اس
جماعت کے وفادار ممبر رہیں اور تفرقات سے اجتناب کریں (رومیوں
۱۳، ۱۷، ۱۸ [illegible]) ان نصیحتوں سے یہ [illegible]
ہے کہ روحانی کلیسیا کے اصول اور تعلقات روحانی [illegible]
ہے کہ ظاہری ترتیب کا لحاظ کرنا چاہیئے۔ اگرچہ ظاہری ترتیب اول درجہ
کی بات نہیں تاہم دوسرے درجہ کی ہے۔ [illegible]
یاد رکھتے کہ دل میں بھی ہونا چاہئے [illegible]
انتظام یگانگت کے وسیلے [illegible]
جو مسیحی ان دو اصولوں کو اچھی طرح سے یاد رکھتا ہے وہ [illegible] جماعت

کو حقیقی کلیسیا سے صرف اِس سبب سے خارج سمجھیگا کہ اُسکا انتظام اُسکے نزدیک کامل نہیں اور نہ انتظاموں کے اختلاف سے راضی ہوگا۔ وہ حقیقی تعلیم اور حقیقی چال پر حقیقی ترتیب کو ترجیح نہ دیگا تاہم حقیقی ترتیب کو حقیر نہ جانیگا - بلکہ اُسے خدا کا انتظام سمجھکر اُسکا ادب کریگا - لیکن وہ یہ بھی مانیگا کہ ہوسکتا ہے کہ ایک انتظام خدا کی اجازت سے ہو گو کہ کسی قدر یا کسیوقت ایک اعلیٰ انتظام کے آگے جاتا رہے - ۱ سموئیل ۱۵ - ۲۲ + مرقس ۹ - ۳۸ سے ۴۰ -

سچا مسیحی افسوس کریگا کہ مسیحیوں کے درمیان ایسے مختلف اور حریف انتظام ہیں وہ یہ چاہیگا کہ حتی الامکان یہ اختلافات جاتے رہیں وہ اِس بات کا بھی لحاظ کریگا کہ کونسا انتظام رسولوں کے انتظام کی مانند ہے لیکن وہ یقین کریگا کہ ہو نہیں سکتا ہے کہ جن کلیساؤں نے کسی خاص سبب سے اپنے تئیں پُرانی کلیسیا سے علیحدہ کردیا وہ اپنی پشتوں کے بعد مانیں کہ وہ سب بیجا تھا اور خود بخود پُرانی کلیسیا سے مل جائیں - وہ یہ مانیگا کہ بہت انتظاموں میں جو میرے نزدیک ناقص ہیں کسیقدر حقیقی انتظام تو ہے اور کچھ انتظام بے انتظامی سے بہتر ہے - اِس قسم کے مباحثہ میں وہ یہ یاد رکھیگا کہ اصلی بات روحانی تعلق ہے جسکے ذریعہ سے ہر ایک عضو روح القدس کے وسیلہ سے سر سے متعلق ہے اور یہ کہ بہرحال وہ سب سے سخت اور مُضر پھوٹ ہے جو اُس تعلق کی حقارت کرتی ہے -

اگر وہ یہ مانے کہ حقیقی انتظام اُسقفی ہے اور چاہیئے کہ سب لوگ اِس انتظام میں شامل ہوں - تاہم وہ دل سے مانیگا کہ پرسبیٹرین - بپٹسٹ اور میتھوڈسٹ بھائی حقیقی کلیسیا کے ہیں وہ ساکرامنٹوں کی پوری قدر

کریگا کہ وہ الہی وسایل ہیں لیکن وہ مانیگا کہ **فرینڈ** جو ان ساکرمنٹوں کو استعمال نہیں کرتے ہیں لیکن مسیح سے حقیقی رشتہ رکھتے ہیں مسیح کے بدن میں شامل ہیں "بپتسمہ کی یگانگت کی مانند کرکے اور اُسے سچی محبت کا نشان جان کر دلی محبت کے رشتہ کو ظاہری اتفاق کی خاطر نہ توڑیگا۔

کلیسیا کے نشان مسئلہ نوزدہم میں ایسے مذکور ہیں :-

"مسیح کی ظاہری کلیسیا ایمانداروں کی جماعت ہے۔ جس میں خداہی کا خالص کلام سُنایا جاتا اور ساکرمنٹیں اُن سب چیزوں کے ساتھ جو اُنکے لئے فرضیت کی راہ سے مطلوب ہیں مسیح کے حکم بموجب درستی سے عمل میں آتیں"

۱۵۸۶ء میں راجرس صاحب نے اس مسئلہ کی تفسیر میں یہ لکھا کہ "جو خداوند کے ہیں اُن کو **وہی** جانتا ہے کیونکہ مسیح کی کلیسیا آدمی کے سامنے قدرے دیدہ اور قدرے نادیدہ ہے۔ نادیدہ وہ سب برگزیدے ہیں جو یا تو آسمان میں خوشی منا رہے ہیں یا زمین پر لڑ رہے ہیں۔ نادیدہ اسلئے کہ انکا ایمان بالیقین ہمکو معلوم نہیں نہ اسلئے کہ اُن کے بدن نادیدہ ہیں"۔

ہوکر صاحب نے جو کلیسیا کے نشان بتائے اُن کا اوپر ذکر ہوچکا ہے

فیلڈ صاحب جو سترھویں صدی کے شروع میں گذرا حقیقی ظاہری کلیسیائے جامع کے نشانوں کا ایسا ذکر کرتا ہے

(**الف**) "اُن منکشف باتوں کا تہ دل سے اقرار کرنا جنکو خدا نے مسیح کے ذریعہ سے ظاہر کیا"

(**ب**) ایسی رسوم اور ساکرمنٹوں کا استعمال جنکو خدا نے مقرر کیا۔

(ج) ان باتوں کے ماننے والوں کا اتحاد یا ایسا تعلق جو مقررشدہ خادموں کے ذریعہ سے ہو۔

پیرسن صاحب بڑے احتیاط اور صفائی سے کلیسیا میں اُن کا امتیاز کرتا ہے جو حقیقتاً برگزیدہ ہوں اور دوسروں کے بارہ میں فرماتا ہے کہ وہ ہمر اور حقیقی ممبروں سے کچھ تعلق نہیں رکھتے ہیں۔ برگزیدے وہ ہیں جو آئندہ کو آسمان پر جمع ہونگے۔ ظاہری کلیسیا کے نشان اُس کے نزدیک یہ ہیں۔ (الف) تعلیم کا اتحاد (ب) انہیں ساکرمینٹوں کا استعمال (ج) ایک بہشت کی توقع۔ (د) رائے اور محبت کا اتفاق (ہ) ایک ہی انتظام کا استعمال۔ جسطرح سے جہاں کہیں نہ ترتیب نہ خادم ہوں وہاں کلیسیا نہیں ہے اُسیطرح جہاں کہیں ایک ہی ترتیب ہو وہاں ایک ہی کلیسیا ہے۔

قابل لحاظ ہے کہ ان مصنفوں میں سے ایک بھی یہ نہیں کہتا ہے کہ استقفیت کلیسیا کا نشان ہے اگرچہ پیرسن صاحب کے الفاظ اُسکے لگ بھگ ہیں۔ بلاشک سترھویں صدی کے مشہور دینی معلم بحیثیت مجموعی اُسے نشان نہ سمجھتے تھے۔ لیکن اصلاح کی ساری کلیساؤں کے پیشوا سولھویں اور سترھویں صدیوں میں (خواہ طریقہ انتظام کے بارہ میں اُنکا کچھ ہی خیال ہو) اسپر زور دیتے تھے کہ کوئی انتظام ہو۔

لفظ **کیتھالک** یعنی جامع کلیسیا کے لئے پہلے پہل اگناطیوس نے استعمال کیا۔ جو خط اُسنے دوسری صدی میں سمرنا کی کلیسیا کی طرف لکھا ہے اُس میں یہ جملہ آتا ہے کہ "جہاں کہیں یسوع مسیح ہے وہاں کیتھالک کلیسیا ہے" پولیکارپ بھی اُسے استعمال کرتا ہے اُسکے بعد [illegible] لفظ کا عام استعمال [illegible]

(ج) ان باتوں کے ماننے والوں کا اتحاد یا ایسا تعلق جو مقررشدہ خادموں کے ذریعہ سے ہو۔

پیرسن صاحب بڑے احتیاط اور صفائی سے کلیسیا میں اُن کا امتیاز کرتا ہے جو حقیقتاً برگزیدہ ہوں اور دوسروں کے بارہ میں فرماتا ہے کہ وہ سر اور حقیقی ممبروں سے کچھ تعلق نہیں رکھتے ہیں۔ برگزیدے وہ ہیں جو آئیندہ کو آسمان پر جمع ہونگے۔ ظاہری کلیسیا کے نشان اُس کے نزدیک یہ ہیں۔ (الف) تعلیم کا اتحاد (ب) انہیں ساکریمنٹوں کا استعمال (ج) ایک بہشت کی توقع۔ (د) رائے اور محبت کا اتفاق (ہ) ایک ہی انتظام کا استعمال۔ جسطرح سے جہاں کہیں نہ ترتیب نہ خادم ہوں وہاں کلیسیا نہیں ہے اُسیطرح جہاں کہیں ایک ہی ترتیب ہو وہاں ایک ہی کلیسیا ہے۔

قابل لحاظ ہے کہ ان مصنفوں میں سے ایک بھی یہ نہیں کہتا ہے کہ استقفیت کلیسیا کا نشان ہے اگرچہ پیرسن صاحب کے الفاظ اُسکے لگ بھگ ہیں۔ بلاشک سترھویں صدی کے مشہور دینی معلم بحیثیت مجموعی اُسے نشان نہ سمجھتے تھے۔ لیکن اصلاح کی ساری کلیساؤں کے پیشوا سولھویں اور سترھویں صدیوں میں (خواہ طریقہ انتظام کے بارہ میں اُنکا کچھ ہی خیال ہو) اسپر زور دیتے تھے کہ کوئی انتظام ہو۔

لفظ **کیتھالک** یعنی جامع کلیسیا کے لئے پہلے پہل اگناطیوس نے استعمال کیا۔ جو خط اُسنے دوسری صدی میں سمرنا کی کلیسیا کی طرف لکھا ہے اُس میں یہ جملہ آتا ہے کہ "جہاں کہیں یسوع مسیح ہے وہاں کیتھالک کلیسیا ہے" پولکارپ بھی اُسے استعمال کرتا ہے اُسکے بعد اس لفظ کا عام استعمال ہو

اتھاناسیس چوتھی صدی میں یہ لکھتا ہے "کہ کلیسیا اِس لئے کیتھالک کہلاتی ہے کہ وہ ساری دُنیا میں پھیل گئی ہے۔ اور صاف ظاہر ہے کہ یہ اِس لفظ کے پہلے معنی تھے۔ رفتہ رفتہ بدعتیوں کے خلاف صحیح تعلیم والوں کے لئے مستعمل ہونے لگا اور کچھ شک نہیں کہ انتظام کے اتفاق کی نسبت تعلیم کے اتفاق کی طرف زیادہ اشارہ کرتا تھا رومی کلیسیا کا دعویٰ یہ ہے (پیوس چہارم کے عقیدہ میں ۱۵۶۴ء) کہ "میں کیتھالک رسول رومی کلیسیا سب کلیساؤں کی ماں اور حاکمہ ہوں" اور یہ کہ میرا عقیدہ ہی حقیقی ہے جس کے بغیر کوئی آدمی نجات نہیں پاسکتا"۔

اِس لفظ کیتھالک کے بارہ میں **بولٹی** صاحب مسایل دین کی تفسیر کرتے وقت یوں کہتا ہے کہ "پہلے مسیحی مصنف۔ اکثر بدعتیوں کے برخلاف کیتھالک کلیسیا کا نام اور اختیار پیش کرتے تھے۔ لیکن جو سوچیگا سو معلوم کریگا کہ اُن کے حالات اور ہمارے حالات میں بڑا فرق ہے ... ہمارے برخلاف رومی کلیسیا کا بڑا حِصّہ اپنی تعلیم پیش کرتا ہے جس سے اُسنے اصلی تعلیم کو ڈھانپا اور بگاڑا۔ اور مقدس نوشتوں کے قوانین چھوڑ دئے۔ مشرقی کلیسائیں قریبا اِسیطرح سے ہم سے جدا ہیں۔ اور ہمارے درمیان بھی مسیحیوں کی چند جماعتیں اُٹھیں جنکا انتظام اَور ہے۔ اور کبھی کبھی ہماری مخالف ہیں۔ اگرچہ عموماً وہی مسایل اور تعلیم مانتی ہیں۔ پہلی صدیوں کی کلیسیا کی حالت بالکل اَور تھی اگناطیوس سچائی کے ساتھ کہہ سکتا تھا کہ استقفون پرسبٹرون اور ڈیکنوں سے الگ کلیسیا ہے نہیں کیونکہ اُس زمانہ میں یہودی اور غیر مذاہب اور گنوسٹک لوگ تو ہوتے تھے لیکن اور کلیسیا نہ ہوتی تھی۔ لیکن جو کوئی اس بزرگ کے مقولہ کو کلیسیا کی اِس حالت سے منسوب کرتا ہے جس سے وہ بزرگ کبھی

[illegible] اُس بزرگ کی عزت کرتا ہے جو وہ اتفاق کے بانی [illegible]

[illegible]

[illegible] اصلی کلیسیا [illegible]

[illegible] اصلی کلیسیا

[illegible] کہتے ہیں کہ انتظام

کا اتفاق اگر ہو سکے تو [illegible] اتفاق [illegible] ہوگا خدا کرے کہ کسی

دن [illegible]

ظاہری کلیسیا کا اختیار۔ ۲۰ ویں آرٹیکل میں اس بات کا ذکر ہے۔ ۲۰ ویں آرٹیکل میں دو باتوں کا ذکر آتا ہے۔ تعلیم اور ترتیب۔ تعلیم کے اختیار سے اصل میں یہ مراد ہے کہ مقدس نوشتوں کی تفسیر میں کلیسیا کا کیا اختیار ہے۔ اسکا بیان اوپر کیا گیا ہے ہم اس موقع پر اتنا کہیں گے کہ کلیسیا میں البتہ تفسیر کا کچھ اختیار ہے جس کا ادب ہر ایک کو کرنا چاہیئے۔ اور یہ کہ وہ قطعی اختیار نہیں جس سے کلیسیا اپنے فیصلے کے ذریعہ سے کسی کو مقدس نوشتوں کا حوالہ دینے سے روکے۔ البتہ یہ آزادگی بُرے طور سے استعمال ہو سکتی ہے۔ لیکن اس بُرے استعمال کے اندیشے سے اس آزادگی کو دور نہ کریں بلکہ دوسرے اصولوں سے اُسے درست رکھیں۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ کلیسیا کا حق ہے جیسے اور جماعتوں کا ہے کہ اپنے قواعد ٹھہرائے اور اُن لوگوں کو خارج رکھے جو ان کو نہ مانیں۔ تاہم چاہیئے کہ یہ حق حقیقی کلیسیا کی روحانی ذات کے مطابق استعمال کیا جائے اور یاد رہے کہ [illegible] کا اصلی حق ہے کہ خود اپنوں کو بچانے ظاہری کلیسیا کے حقوق [illegible]

[illegible]

ہمیشہ درست طور سے ہوگا وہ اور بات ہے ۔ تواریخ سے ثابت ہے کہ ایک ظاہری کلیسیا گمراہ ہوسکتی ہے ۔ مجمع عام سے بھی دین نے بہت فائدہ اُٹھایا ہے خاصکر نقایا اور خلقیدون کے مجمعوں سے مسیح کی ذات کے بارہ میں لیکن کبھی کبھی ایسا ہوا کہ مجمع عام کے فیصلے نقیض تھے ۔ اور ان میں سے کسی کے بارہ میں ہم یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ اُسکے ممبر ساری کلیسیا کی طرف سے تھے

ہماری کلیسیا کا مسئلہ انیسواں ظاہری کلیسیا کے حقوق کا بیان کرتا ہے تاہم وہ اُن حقوق کو مقدس نوشتوں کی تعلیم سے محدود کرتا ہے ۔ ساری کلیسیا کبھی نہ اپنے واسطے نہ کلیسیا جامع کے واسطے یہ دعویٰ کرتی ہے کہ مقدس نوشتوں کی تفسیر اپنے ہی اختیار سے کرے یا مقدس نوشتوں پر کچھ ایزاد کرے چھٹے مسئلہ سے ظاہر ہے کہ وہ تعلیم مقدس نوشتوں میں پائی جاتی ہے یا اُن سے جائز طور سے ثابت ہو سکتی ہے اسی کو بطور ایمان ضروری ٹھہراتی ہے اور اکیسواں مسئلہ مجمع عام کے فیصلوں کو بھی اسی قانون کے ماتحت ٹھہراتا ہے ۔

عبادت کی ترتیب کے بارہ میں کلیسیا کا حق ظاہر ہے ہاں اس کا فرض بھی ہے کہ اسکا بندوبست کرے بشرطیکہ ایسی باتوں کا حکم نہ دیا جائے جو خدا کے کلام کے برخلاف ہو اور یہ کہ سب کچھ فائدہ عام کے لئے ہو یہ قابل لحاظ ہے کہ نئے عہدنامہ میں بمقابلہ عہد عتیق کے عام عبادت کی کچھ مقررہ ترتیب نہیں ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے بالخصوص نئے عہدنامہ کی تعلیم کے مطابق عام طور سے ترتیب عبادت کے قوانین ہر کلیسیا کی رائے پر چھوڑے گئے ہیں ۔ پس ہم نہیں کہہ سکتے ہیں کہ ضرور وہ

عبادت جسکا ذکر مقدس نوشتوں میں نہیں پایا جاتا اُن نوشتوں کے خلاف ہے

دسواں باب

خادمان دین کے عہدہ کے بارہ میں

ہماری کلیسیا کے تیئسویں مسئلہ دین میں لکھا ہے کہ کسی کو روا نہیں کہ علانیہ وعظ کا عہدہ یا کلیسیا میں ساکرمینٹوں کی تعمیل اپنے اختیار کرے اُس سے پہلے کہ وہ شرع کے موافق اُس کام کے لئے چُنا اور بھیجا جائے اور ہمیں مناسب ہے کہ اُنہیں شرع کی رو سے ٹھہرائے اور بھیجے گئے سمجھیں جو اُن لوگوں کی طرف سے اِس کام کے لئے چُنے اور مقرر ہوں جنکو کلیسیا میں برملا اختیار ملا ہو کہ خادموں کو بُلا کر خداوند کے تاکستان میں بھیجیں" اِس مسئلہ کی تائید میں نئے عہدنامہ میں ظاہری کلیسیا کے عہدوں اور خادموں کے تقرر کا بہت ذکر ہے مثلاً رسولوں کا تقرر متی ۱۰ باب وغیرہ ۔ اعمال ۶ - ۳ تا ۶ ۔ ۱۱ - ۳۰ ۔ ۱۳ - ۱ ۔ ۱۴ - ۲۳ ۔ ۱۵ - ۲ و ۴ و ۶ و ۲۳ ۔ ۱۶ - ۴ ۔ ۲۰ - ۱۷ سے ۳۵ ۔ ۲۱ - ۱۸ ۔ رومیوں ۱۲ - ۶ سے ۸ ۔ ۱ قرنتی ۱۲ - ۲۸ ۔ افسیوں ۴ - ۱۱ و ۱۲ ۔ فلپیوں ۱ - ۱ ۔ کلسیوں ۴ - ۱۷ ۔ ۱ تسلونیکی ۵ - ۱۲ و ۱۳ ۔ ۱ تمطا ۳ - ۱ سے ۱۳ ۔ ۴ - ۱۴ ۔ ۵ - ۱ و ۲۲ ۔ ۲ تمطا ۱ - ۶ ۔ طیطس ۱ - ۵ سے ۹ ۔ عبرانی ۱۳ - ۷ و ۱۷ ۔ یعقوب ۵ - ۱۴ ۔ ۱ پطرس ۵ - ۱ سے ۴ ۔ ۳ یوحنا ۱۰ آیت ۔ مکاشفہ ۱ - ۲۰ ۔ ۲ - ۱ و ۸ و ۱۲ و ۱۸ ۔ ۳ - ۱ و ۷ و ۱۴ ۔

چونکہ ظاہری کلیسیا ایک جماعت ہے [illegible]

[illegible]
کے علاوہ مقدس نوشتوں میں یہ بھی کہیں نہیں لکھا ہے کہ [illegible]
بعد سارے عہدوں کا کام رسول ہی کرتے تھے۔ اور اگرچہ وہ [illegible] سے
صلاح و مشورت بھی لیتے تھے۔ تو بھی اُنکا اختیار [illegible] کی طرف سے
ملا تھا نہ کہ جماعت کی طرف سے۔ جب کام کی اور جماعت کی کثرت ہوئی
تو کام تقسیم ہونے لگا۔ رسولوں کی صلاح کے مطابق جماعت سے چند [illegible]
چنے گئے جنھیں [illegible] کی نگرانی تھی اور وہ منادی بھی کرتے تھے اور
یہ رسولوں کے ہاتھ رکھنے سے مقرر کئے گئے (اعمال ۶)۔

اگرچہ اس باب میں انکا ایسا لقب پایا نہیں جاتا تو بھی شروع ہی سے
کلیسیا نے انہوں کو ڈیکن کا لقب دیا۔ چند تھوڑی مدت بعد پرسبٹر (اعمال
۱۱: ۳۰ + ۱۴: ۲۳) یروشلیم میں اس لقب کے ساتھ جو [illegible] معلوم
ہوتا ہے کلیسیا کی ہدایت کرتے تھے (اعمال ۱۵) [illegible]
ہیں یعنی نگہبان یروشلیم میں یعقوب تھوڑی مدت بعد [illegible]
قرنطے میں طیطس گو وہ رسول نہ تھے۔ دوسرے نگہبانوں پر ایک طرح
کے میر مجلس تھے (خواہ یہ فوقیت دائمی ہو یا عارضی) اور دیگر نگہبانوں کے
مقرر کرنے کا اختیار رکھتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ عموماً اس [illegible]
نہ ڈیکن نہ پرسبٹر نہ نگہبان جماعت ہی سے مقرر کیا جاتا تھا کوئی [illegible]
خادم دین اُسے جائز ٹھہراتا تھا۔ [illegible]
انجیل کی خدمت کا آغاز خاص [illegible]
تاہم عہد جدید سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قانون سے کچھ [illegible]
ظاہر ہے کہ انجیل کی منادی صرف مقررشدہ شخصوں نے ہی نہیں کی [illegible]

۱۴ ، ۱۶ مقابل ۱۹ : ۲۴ ، ۲۸ ، ۱۱ ، ۱۹ – ۲۰ اور خاص رومان
نفسیں سے ظاہر ہے کہ انجیل کا کام بہت عام ترتیب کا پابند
نہ تھا۔

جو تصنیفات رسولوں کے زمانہ کے بعد ہی لکھی گئیں ان میں
خادمان دین کا صاف ذکر ہے مثلاً بارہ رسولوں کی تعلیم میں
جو پہلی صدی کے آخر میں لکھی گئی نگہبانوں اور ڈیکنوں کا ویسا
ہی ذکر ہے جیسا فلپیوں کے خط میں (۱:۱) روم کے کلیمنس
کی تصنیف میں پرسبٹروں کا جو نگہبانی یا اسقفی کہلاتا ہے،
اور ڈیکنوں کا ذکر ہے اگناطیوس دوسری صدی کے شروع میں اسقف
پرسبٹر اور ڈیکن کو ضروری سمجھتا ہے۔

اگر بارہ رسولوں کے تقرر پر لحاظ کیا جائے تو ظاہر ہوگا کہ وہ
موجودہ زمانہ کے تقرر سے متفرق ہے۔ اکثر یہ بارہ رسول خود کلیسیا
سمجھے جاتے ہیں حتیٰ کہ جو وعدے ان سے کئے جاتے ہیں وہ
سارے ایمانداروں سے بھی ہیں۔ اور خدمت کے بارہ میں تینوں
عہدے اس رسالت میں موجود تھے اور تینوں اس سے صادر ہوئے
مثلاً اعمال ۶ میں ڈیکن مساب کتاب میں رسولوں سے ہاتھ
بٹاتے تھے۔ پرسبٹر کسی خاص جگہ کی خدمت میں نہ اسقف
یا نگہبان (حال کے معنوں میں) مناسب مجلس پرسبٹر کے
کام میں۔

لیکن اگر خاص رسالت کا لحاظ کیا جائے تو کوئی ان کا
جانشین نہ تھا۔

پرنظر ہیں مثلاً پولس کلیسیا ہی کی طرف سے نہیں بلکہ خود مسیح کی طرف سے رسول مقرر کئے گئے لیکن یہاں بھی بزرگوں کے بارے میں لکھا ہے کہ جماعت نے انکا انتخاب کیا (اعمال ۱۴: ۲۳) پولس اور برنباس کے ساتھ مقرر تو کیا گیا لیکن رسول کے کام کیلئے نہیں (اعمال ۱۳: ۳ وغیرہ گلتیوں ۱: ۱۹ ،)

پس انجیل کے سارے خادم کسی نہ کسی طرح سے مسیح اور رسولوں کے جانشین ہیں لیکن انکا اختیار اسی قسم کا نہیں۔ اور ہوسکتا ہے کہ کسی کلیسیا میں ان تین عہدوں میں سے ایک پایا جائے۔ اس کے سبب سے وہ رسولی کلیسیا کہلا سکتی ہے۔

خادمانِ دین کے بارہ میں چند باتیں

خلافت یا تواتر

متواتر ترتیب کا خیال نئے عہدنامے میں مثلاً چوپانی خطوط میں صاف نظر آتا ہے۔ اور رسولوں کے پیروؤں کی تصنیفات میں بھی پایا جاتا ہے۔ جس طرح سے کہ کلیسیا کے ظاہری جماعت ہونے کے باعث سے خادموں کی ترتیب ضرور ہے اسی طرح سے چونکہ وہ جماعت دائمی ہونیوالی تھی خادموں کے دائمی ہونے کے لئے متواتر سلسلہ ضروری معلوم ہوتا ہے لیکن یہ اہم بات ہے کہ انکے شرائط اور انکے حقوق کیا ہیں۔ بعض لوگ اس بات سے کہ نئے عہدنامہ میں میر مجلس کلیسیاؤں کے درمیان خاص مختار رہتے تھے اور یہ کہ دو پشتوں کے بعد انکا خاص عہدہ تھا یہ نتیجہ نکالتے ہیں

... کار و تائب کا ذکر ہے لیکن نئے عہد نامہ میں یہ نہیں پایا جاتا
اس لئے وہ خصوصاً بیان کیا جاتا ہے
[illegible] صاحب [illegible] لازم کرنا چاہیئے وہ اس
رسالہ [illegible] الف لاہوت صاحب کی تفسیر میں ہے
جو انہوں نے [illegible] لکھی

گناہوں کا اقرار اور مغفرت

اس کا نئے عہد نامہ میں بہت کم بیان ہے ۔ عام طور سے تو لکھا ہے کہ خدا کے اور آدمیوں کے سامنے قصوروں کا اقرار کرنا چاہیئے ۔ یعقوب ۵ : ۱۶ (یشوع ۷ : ۱۹ ، ۲ سموئیل ۱۲ : ۱۳) متی ۳ : ۶ ، ۱۸ : ۱۵ - ۱۶ و ۱۷ ، اعمال ۱۹ : ۱۸ ۔ لیکن یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ ایسا اقرار خصوصاً خادم الدین کے سامنے کرنا چاہیئے البتہ مناسب ہے کہ وہ اپنے گلہ کے لوگوں کا روحانی صلاحکار اور مددگار ہو ۔ اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ ضرورت کے وقت خادم الدین سے خلوت میں صلاح لینا روا ہے ۔
لیکن مقدس نوشتوں میں کچھ اشارہ نہیں ہے کہ خادموں کا یہ کام ایک ایسا انتظام ہو جائے جو ہر مسیحی کے دین میں داخل رہنے کے لئے ضرور ہو تاہم یہ انتظام برپا ہوا ۔ اور رومی کلیسیا میں یہ خاص بندوبست ہے ۔ عشاء ربانی میں شامل ہونے کی ضروری شرط یہ ہے کہ آدمی خلوت میں خادم الدین کے سامنے گناہوں کا مفصل بیان کرے ۔ اور اس سے مغفرت کا کلمہ سنے جس کے وسیلہ سے اُنکے نزدیک خدا کی طرف سے معافی ملتی ہے بشرطیکہ
[illegible]

[illegible] اس صورت میں ہم چھوٹی باتوں [illegible]
کرینگے جن میں اقرار کرنیوالا اور نیز جس کے سامنے اقرار کی جائے دونو
مبتلا ہوتے ہیں (ان خطروں کے ثبوت میں رومی کلیسیا کے جو قوانین
اقرار کے لئے ہیں انکو پڑھنا کافی ہے) نہ اُن سزاؤں کے اکثر اطلاقوں
کا ذکر کرینگے - ایک ہی خاص نقص کی طرف ناظرین کو متوجہ کرتے ہیں
کہ اُسکی تعلیم یہ ہے کہ مغفرت کا کلمہ فی الواقعہ موثر ہے گو اقرار کرنے والا
کانٹرایٹ یعنی دل سے تائب نہ ہو مگر صرف ایٹرایٹ یعنی گناہ کے
نتائج سے ڈرے - اس کا مطلب یہ ہے کہ خوف اور کلیسیائی سزا توبہ
کے برابر ہیں - لیکن توبہ کے بارہ میں یہ تعلیم مقدس نوشتوں کی نہیں
مخفی نہ رہے کہ اگرچہ ایسا انتظام بہت غلط ہے - تو بھی سچائی سے
کچھ تعلق رکھتا ہے یعنی خادم الدین جسکا یہ کام ہے کہ خدا کا کلام سنائے
اُسکا فرض ہے کہ مغفرت کا وہ کلمہ جو ساری کلیسیا کے اختیار میں ہے برملا
طور پر سنائے - یوحنا ۲۰-۲۳ + متی ۱۸-۱۸ - بعض لوگ یہ بھی سمجھتے
ہیں کہ خادم الدین اپنے عہدہ کے سبب سے کسیقدر اس بارہ میں خاص
اختیار رکھتا ہے -

تقرر کے بارہ میں

جو شخص کامل طور سے خادم الدین مقرر کیا جاتا ہے وہ روح القدس
کے ذریعہ سے خدا کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے اور کلیسیا کی طرف
سے تسلیم کیا جاتا ہے - اپنے کام کے لئے وہ اُسپر دوہری مُہر لگی ہے -
اندرونی فضل کے لحاظ سے خدا کی مُہر اور ظاہری تقرر کے لحاظ سے کلیسیا

[illegible]

[illegible]

کرتا ہے [illegible] کہ [illegible] [illegible] کرتا ہوں کے [illegible]

کرنے کا دعویٰ بھی نہیں کرتا ہے بلکہ [illegible] کے الفاظ [illegible] وہ جتاتا ہے

کہ خادم کا خاص فرض کیا ہے اور اسے یقین دلاتا ہے کہ اگر کوشش کرے

تو روح القدس اس کا مددگار ہوگا

اسقف

نئے عہدنامہ میں لفظ اسقف یا نگہبان سے دیگر خادموں کا نگہبان

مراد نہیں ہے [illegible]

[illegible]

ایسے اعلیٰ نگہبانوں کی ترتیب برپا ہوئی۔ میرے نزدیک، ہم اسے ثابت کر سکتے ہیں۔

دوسری صدی کے آخر میں ہر جگہ کلیسیا میں اسقفیت جیسی اب کہلاتی ہے پائی جاتی تھی

اگناطیوس اور ارینیوس دوسری صدی میں اس منصب کو اعمال کے سنوں میں سترال کرتے ہیں اور اُسوقت سے ہر کلیسیا میں یہ انتظام چلا آتا ہے۔ اگناطیوس [illegible] اور [illegible] منظوری کے [illegible] [illegible] اور خطیبس [illegible] کا بھائی یعقوب [illegible] انتظام کا آغاز ایشیا [illegible] قائم کیا [illegible]

[illegible]

[illegible]
جماعتوں کو جن میں یہ انتظام نہیں کلیسیا سے خارج سمجھیں اور چاہئے
کہ ہم جو اسقفوں کو مانتے ہیں ہم انہیں اتنا زور نہ دیں کہ گویا وہ فضل
کا خاص وسیلہ ہے۔

گیارھواں باب

ساکریمنٹوں کے بیان میں

ہماری کلیسیا کا پچیسواں مسئلہ دین یہ ہے کہ "مسیح کی مقرر کی ہوئی
ساکریمنٹ مسیحیوں کے صرف مذہب کی نشانیاں نہیں بلکہ خدا کے
فضل اور ہمارے حق میں اسکی نیک مرضی کے صاف اور صحیح گواہ
اور مؤثر نشان ہیں جنکے وسیلے وہ ہم میں ایک پوشیدہ طور پر اثر کرتا ہے اور
اور اپنے اوپر ہمارے ایمان کو صرف تازہ ہی نہیں بلکہ اُسے ثابت
واستوار بھی کر دیتا ہے۔ انجیل میں ہمارے خداوند مسیح نے دو ساکریمنٹ
مقرر کیں۔ بپتسمہ اور عشاء ربانی۔ ۔ مسیح نے ساکریمنٹوں کو اسلئے مقرر
نہیں کیا کہ انہیں تکا کریں یا لئے پھریں بلکہ اسواسطے کہ انکو واجب طور
[illegible]

اطوار نا پاک عمل میں لاتے ہیں پر جو انہیں لائق طور سے عمل میں نہیں
لاتے وہ مقدس پولوس کے کہنے کے موافق عذاب حاصل کرتے ہیں۔"

لاطینی لفظ ساکرامنٹ کو لاطینی مسیحی مصنف مدت تک عام طور سے ہر
ایک مقدس چیز کے لئے استعمال کرتے تھے مثلاً کوئی منکشف تعلیم لیکن
مسیحی کلیسیا کل کی اب اس لفظ کو اُن مسیحی رسوم کے لئے استعمال
کرتی ہے جو خدا کی طرف سے ہیں اور مقدس نوشتوں کے موافق کوئی
روحانی نعمت پہنچاتے ہیں صرف بپتسمہ اور عشاء ربانی اس قسم کی رسوم
ہیں رومی کلیسیا کے لوگ استحکام۔ کلیسیائی سزا۔ آخری مسح۔ تقرر۔ نکاح کو
بھی ساکرامنٹ کہتے ہیں اور یہ کہ اُن میں سے ہر ایک میں ایک خاص
فضل ہے جس سے ہم راستباز ٹھہر سکتے ہیں وہ اس بات کے ثابت کرنے
کی کوشش تو کرتے ہیں کہ مسیح نے ان رسوں کو مقرر کیا لیکن پایہ اثبات
تک نہیں پہنچا سکے

ساکرامنٹوں کی تاثیر کے بارہ میں وسطی زمانوں کی تعلیم یہ تھی کہ جو ساکرامنٹ
میں شامل ہوتا ہے انکو خود بخود فضل ملتا ہے اور یہ کہ ساکرامنٹوں کے
بغیر فضل کا اور کوئی وسیلہ نہیں مثلاً خدا کے وعدہ پر ایمان لانا وسیلہ
نہیں ۔ اس تعلیم کے مطابق ساکرامنٹوں کا فضل ایک عجیب اور گویا مادی
شے جو مادی وسیلہ سے دیا جاتا ہے اور روح کو ایسی نئی حالت اور بیچ
قدرت بخشتا ہے جس کا نتیجہ پاکیزگی ہے۔

پس اس تعلیم کے مطابق فضل اور نئی پیدائش تقریباً ایک ہی بات
ہے۔ مثلاً بپتسمہ نئی پیدائش کا فضل دیتا ہے اور یہ نئی پیدائش یا حالت
دیگر انسانی یا الٰہی تحریکوں سے نیک اعمال کا پھل لاتی ہے۔

[illegible] نوشتوں کے مطابق [illegible] ہمارے نزدیک [illegible] نہیں

نئے عہد نامہ کے جن مقامات میں ساکرامنٹوں کا صاف بیان ہے وہ کم ہیں۔ ہم لفظ صاف لیتے ہیں کیونکہ مثلاً یوحنا ۶ باب میں جو زندگی کی روٹی کا بیان ہے وہ پاک رفاقت پر ہی محدود نہیں (اس بات کے بارہ میں وائیلیڈ-یو فرسٹ دیکھو) اسیطرح سے یوحنا ۳ باب بپتسمہ سے محدود نہیں ہوسکتا ہے لیکن متی ۲۸-۱۹ مرقس ۱۶-۱۶ + اعمال ۲-۳۸ + ۲۲-۱۶ + گلتیوں ۳-۲۷ + رومیوں ۶-۳ و ۴ + کلسیوں ۲-۱۲ و ۱۳ + [illegible] افسیوں ۵-۲۶ + ططس [illegible] بپتسمہ کا صاف ذکر ہے لیکن متی ۲۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ بپتسمہ دینا منادی سے ادنیٰ کام ہے۔ عشاء ربانی کا ذکر اعمال ۲-۴۲ و ۴۶ + ۲۰-۷ و ۱۱ + اور شاید ۲۷-۳۵ سے روٹی توڑنا کہلاتی ہے۔ ۱ قرنتی ۱۰-۱۶ سے ۲۱ + ۱۱-۲۰ سے ۳۴ تک اسکا کچھ مفصل بیان ہے جس سے ہم یہ سیکھتے ہیں کہ اس برکت کے پیالہ اور توڑی ہوئی روٹی سے مسیح کے خون اور بدن میں شریک ہوتے ہیں اور جو اُن میں شریک ہوتے ہیں وہ ایک ہی بدن ہوجاتے ہیں۔ وہ پیالہ اور میز خداوند کے کہلاتے ہیں (میز کبھی قربان گاہ نہیں کہلاتی یہ ساری) ساکرامنٹ عشاء ربانی کہلاتی ہے وغیرہ۔ ۱ قرنتی ۱۲-۱۳ میں شاید اسکی طرف اشارہ ہے لیکن خاص مقامات یہ ہیں متی ۲۶-۲۶ مرقس ۱۴-۲۲ + لوقا ۲۲-۱۷ + ۱ قرنتی ۱۱-۲۳ وغیرہ۔ جن میں بیان [illegible]

[illegible] سکتے ہو

ہیں۔ ہماری فسح کی صورت سے خاص تعلق رکھتی ہے کہ [illegible]
مسیح کا بدن صرف اس صورت میں مراد ہے کہ وہ "توڑا گیا" اور
ہمارے واسطے "قربان کیا گیا" اور اسی طرح سے [illegible] سے بہایا ہوا
خون مراد ہے۔

نئے عہدنامہ میں ساکرامنٹوں کی تعلیم کے بارہ میں اشارے ہی اشارے
پائے جاتے ہیں۔ مقدار میں تو بہت نہیں ہیں۔ پر اُن میں غور
کی بہت گنجائش ہے۔ لیکن یہ مقدار اتنی نہیں کہ ہم یہ نتیجہ نکالیں
کہ یہی رسوم مسیحی دین میں سب سے اعلیٰ ہیں اگر یہ اعلیٰ ہوں تو
تعجب کی بات ہے کہ نئے عہدنامہ کی چند بڑی کتابیں اُنکا ذکر نہیں
کرتی ہیں۔ مثلاً عبرانیوں۔ افسیوں۔ رومیوں کے خط۔ اور ماسوا اسکے
وہی عہدنامہ ہمکو صاف طور سے آگاہ کرتا ہے کہ جب تک ایمان نہ ہو کوئی
رسوم بھی کیسی ہی اعلیٰ کیوں نہ ہوں روح کی حقیقی اندرونی ترقی کو [illegible] ہے۔
مرقس ۱۶ [illegible] یوحنا [illegible]
۴۹ ۔ افسیوں [illegible]
مقدس نوشتے فضل ہی پر [illegible] فضل کے ساکرامنٹوں کی [illegible]
پر رسوم کی نسبت بہت زیادہ زور دیتے ہیں۔ چاہیئے کہ ہم [illegible]
ہم فضل اور ساکرامنٹوں کے تعلق [illegible] یاد رکھیں کیونکہ کبھی
کبھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگ [illegible] ساکرامنٹوں پر [illegible] فضل پر توجہ کرکے
غلطی میں پڑتے ہیں۔

نئے عہدنامہ نے ساکرامنٹوں کی تعلیم پر پرانے عہدنامہ کی تشبیہوں
کے استعمال سے کچھ روشنی ڈالی ہے کیونکہ [illegible] صرف [illegible]

کا زمانہ آتا ہے جو ہلاک ہونے ... اللہ عہد کا نشان بھی مذکور ہے ۔ مثلاً
نوح کے زمانہ میں قوس قزح عہد کا نشان ... اور ختنہ ... ہے ۔ یہ سب الٰہی
دوستی کے دائمی نشان تھے ۔ اسی اصول کی بنیاد پر نئے عہد میں
بپتسمہ اور عشاء ربانی کے نشان پائے جاتے ہیں ۔

اگر ... سے انہیں غور کریں تو ظاہر ہوگا کہ نئے عہد کے ساکرامنٹ
بالکل مناسب ہیں اور الٰہی انتظام کے موافق ہیں ۔ انکا طریقہ انجیل کے
ابتدائی اصولوں سے اور اُس روحانی تعلق سے جو خدا اور انسان کے
درمیان ہے پورے طور پر ملتا ہے ۔ یہ [illegible] کی بات ہوتی اور خاص
طور سے سند طلب بھی اگر نجات کا آخری انتظام پہلے انتظاموں کی
نسبت ظاہری نشانوں کے زیادہ پابند ہوتا ۔ یہ نہ صرف عہد جدید بلکہ
عہد عتیق کی تعلیم کے بھی مطابق ہے کہ انجیل کی دو ظاہری رسوم کا
کام خصوصاً گواہی دینے کا کام ہو نہ یہ کہ گویا مادی تاثیر کریں ۔

عشاء ربانی کے یقین کے الفاظ [illegible] ظاہر ہے کہ [illegible] ساکرامنٹیں عہد
سے متعلق ہیں ۔ یقین کے ہر ایک بیان میں پیالہ یا خون نئے عہد کا
کہلاتا ہے ۔ اور سارا انتظام بنی اسرائیل کی عید فسح پر مبنی ہے ۔ اور
بپتسمہ میں اس پر زور دیا جاتا ہے کہ خدا کے نام پر بپتسمہ دیا جائے ۔
دونوں میں خدا اپنی امت کے ساتھ مسیح کے ذریعہ سے اپنے عہد پر
گویا مہر لگاتا ہے اور عشاء ربانی میں بحیثیت مجموعی جماعت پر یہ مہر
لگائی جاتی ہے مثلاً جب کسی مریض کو مرتے وقت پاک رفاقت
دی جاتی ہے تو چاہیئے کہ دو تین اسکے ساتھ ملیں ۔

ہے جیسی انجیل کہ جب خدا کا کلام پڑھتے یا دعا مانگتے ہیں۔ الہام سکریمنٹ
میں ایک خاصیت ہے کیونکہ اُن ہی میں خدا مادی نشانوں کے ذریعے
سے روحانی ایمان کی وہ کتا ہے نہ پانی روح ہوجاتا ہے، نہ روٹی اور
وائن مسیح ہوجاتے ہیں لیکن تاہم وہ خالی نشان نہیں ہیں وہ بڑی
نعمتوں کے گرد اور گواہ ہیں جنکے ذریعہ سے ایمانداروں کو خاص برکت
ملتی ہے۔

ایک مشہور مصنف مثلاً ریمنڈ سکریمنٹوں کے بارہ میں یہ کہتا
ہے کہ بعض اشیا تو بجائے خود قیمت رکھتی ہیں اور بعض کسی دوسری قیمتی
اشیا کے نشان مثلاً کبھی خود انگوٹھی انعام ہے کبھی کسی اور انعام کا
نشان ہے۔ جنکے پاس وہ نشان ہے انکا وہ انعام ہے۔ اس خیال کے
مطابق پہلی صدیوں میں سکریمنٹ کے نشان کا ایسا ذکر ہوتا تھا کہ گویا
خود وہ نشان روحانی انعام تھے۔ مثلاً بپتسمہ کی پیدائش یا ظہور ہونا لکھا
تھا۔ حالانکہ یہ ممکن تھا کہ نشان بلا انعام ہو اور انعام بلا نشان ہو مثلاً
اعمال ۸۔ ۱۰، ۱۰، ۲۲۔ لیکن بزرگوں کی تصنیفات میں یہ خیال تھا
ہے کہ نئی پیدائش وغیرہ سے، خواہ بپتسمہ سے کیسا ہی نزدیک تعلق کیوں
نہ رکھیں، دل کی حقیقی دائمی تبدیلی مراد ہے نہ کہ تبدیلی کا امکان۔

پس تعجب کی بات نہیں کہ سولھویں اور سترھویں صدیوں کے دیندار
مصنفوں نے اکثر بپتسمہ کا ذکر بڑے ادب سے کیا مثلاً کرانمر کہتا ہے کہ
"ہماری نئی پیدائش بپتسمہ کے پانی، سے ہے" اور ہُکر یہ کہتا ہے
کہ "خیال یہ کرنا چاہئے کہ بچوں کے بپتسمہ کے وقت فضل کی تاثیر
اُن کو ملتی ہے بلکہ یہ کہ جب جب وہ بچہ بالغ ہوکر ایمان نہ لا سکے

اور وعدوں کو قبول نہ کرے بپتسمہ کی تاثیر نہیں ہوتی ہے۔ یعنی حقیقی
بپتسمہ کی برکت ایسے اعلیٰ درجہ کی ہے کہ اگر حق ہی ملے تو نئی پیدائش کے
آثار ضرور نمودار ہوں گے۔ یہ برکت ہمیشہ موثر ہے اسلئے جہاں تاثیر نہیں
وہاں برکت نہیں مقابلہ کرو اعمال ۸۔ ۲۱، ۲۰۔ رومیوں ۶۔ ۹ و ۱۴، ۱۰
(یوحنا ۵۔ ۴ ۳ یوحنا ۳۔ ۸)

اسیطرح سے جب یہ صاحب رب نئی پیدائش کی ضرورت پر زور
دیتا ہے تو اس ہی بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ آیا تو روح کا
پھل پاتا ہے یا نہیں۔ کیونکہ اس ہی پھل سے پہچانا جاتا ہے کہ تو
کبھی خدا سے پیدا ہوا۔ اور جو مصلح اُن لوگوں سے مخاطب ہو کر جو
برائے نام گرجا کو جاتے ہیں یہ کہتا ہے کہ "وہ پانی سے تو دھوئے گئے
لیکن روح کا بپتسمہ اُنہوں نے کبھی نہیں پایا"۔ اگر واعظ کہتا ہے کہ تم مسیحی
نہیں ہو تو وہ بُرا مانتے ہیں۔ لیکن وہ انجیل کے عہدے سے بے بہرہ ہیں۔
روح کے آثار ہنوز اُن میں نہیں ہیں ...... اگر روح القدس تم کو پاکیزہ
بنانے کے واسطے تم میں نہ بسے تو تم ہنوز جسمانی ہو"۔ مرحوم بشپ آگسٹین
نے یہ کہا کہ فرض کرو کہ سب لوگ بپتسمہ پائیں۔ سب کلیسیا کے احاطہ
میں آئیں تو بھی خدا کے فرزندوں کا امتیاز شیطان کے فرزندوں سے
محبت ہی کے ذریعہ سے ہوسکتا ہے۔ جن میں محبت نہیں وہ خدا سے
پیدا نہیں ہوئے۔

FOOTPRINTS WITHOUT FEET

1. The Making of a Scientist
2. The Necklace
3. The Hack Driver
4. Bholi

Each Semester

SECTION	WEIGHTAGE (IN MARKS)
READING	10
WRITING & GRAMMAR	10
LITERATURE	20
TOTAL	40
INTERNAL ASSESSMENT	10
GRAND TOTAL	50

FOOTPRINTS WITHOUT FEET

1. A Triumph of Surgery
2. The Thief's Story
3. Footprints Without Feet

Term - II

READING

Question based on the following kinds of unseen passages to assess inference, evaluation, vocabulary, analysis and interpretation:

1. Discursive passage (400-450 words)
2. Case based Factual passage (with visual input/ statistical data/ chart etc. 300-350 words)

WRITING SKILL

1. Formal letter based on a given situation
    - Letter of Order
    - Letter of Enquiry
2. Analytical Paragraph (based on outline/chart/cue/map/report etc.)

GRAMMAR

1. Tenses
2. Modals
3. Subject Verb Concord
4. Determiner
5. Reported Speech
6. Commands and Requests
7. Statements
8. Questions

LITERATURE

Questions based on extracts / texts to assess interpretation, inference, extrapolation beyond the text and across the texts.

FIRST FLIGHT

1. Glimpses of India
2. Madam Rides the Bus
3. The Sermon at Benares
4. The Proposal (Play)

POEMS

1. Amanda
2. Animals
3. The Tale of Custard the Dragon

English Language and Literature
Code No. 184
Class X (2021-22)
Term wise Syllabus

Term - I

READING

Question based on the following kinds of unseen passages to assess inference, evaluation, vocabulary, analysis and interpretation:

1. Discursive passage (400-450 words)
2. Case based Factual passage (with visual input/ statistical data/ chart etc. 300-350 words)

WRITING SKILL

1. Formal letter based on a given situation.
   - Letter to the Editor
   - Letter of Complaint (Official)
   - Letter of Complaint (Business)

GRAMMAR

1. Tenses
2. Modals
3. Subject-Verb Concord
4. Determiner
5. Reported Speech
6. Commands and Requests
7. Statements
8. Questions

LITERATURE

Questions based on extracts / texts to assess interpretation, inference, extrapolation beyond the text and across the texts.

FIRST FLIGHT

1. A Letter to God
2. Nelson Mandela
3. Two Stories About Flying
4. From the Diary of Anne Frank
5. The Hundred Dresses 1
6. The Hundred Dresses 2

POEMS

1. Dust of Snow
2. Fire and Ice
3. A Tiger in the Zoo
4. The Ball Poem